نیک بنو نیکی پھیلاؤ سیریز

(۱) روشن چراغ	10/-	(۸) ہانڈی مل گئی	10/-
(۲) علم کی حد (واقعہ حضرت خضرؑ)	10/-	(۹) لالال اور کا کال	10/-
(۳) لکڑی کی گڑیا	15/-	(۱۰) پھول ہی پھول (نظمیں)	25/-
(۴) سفید گڑیا	20/-	(۱۱) ہماری نظمیں	15/-
(۵) شرارتیں ہی شرارتیں	10/-	(۱۲) شیطان سے انٹرویو	10/-
(۶) اچھا بچہ کون؟	20/-	(۱۳) دو آنسو	25/-
(۷) انمول	40/-	(۱۴) ہائے میں کیا کروں؟	10/-

البدر بک سینٹر، سرائے میر اعظم گڑھ Mob. 09839591434

''اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' (قرآن)

سہ روزہ دعوت
نئی دہلی

www.dawatonline.com

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مشرکین کے حق میں بددعا فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا'' مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (بخاری)

OMEGA SUPER HARDWARE

Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Fumitures

AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۴۰ ● یکم مئی ۲۰۰۹ء ● 1st May 2009 ● جمعہ ● ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ ● قیمت Rs.5/= ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲؍ ریال ● Posting: 29 April 2009 Wednesday

مذہبی رواداری کا محض دعویٰ کرنا کافی نہیں ہے

امریکہ کی مختلف ریاستوں میں آباد بھارتی امریکی آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ وائی ایس راج شیکھر ریڈی کو روی چندر رپورٹ نافذ کرنے اور اس پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کے لئے ہر ممکن راستے سے دباؤ ڈال رہے ہیں کہ ہزاروں کی تعداد میں بھارتی امریکی ان پٹیشنوں پر دستخط کر چکے ہیں جن میں وزیر اعلیٰ آندھرا پردیش سے ایڈوکیٹ روی چندر کی سربراہی میں قائم ہونے والی کمیٹی کی تجاویز و سفارشات کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آندھرا پردیش مائناریٹیز کمیشن نے ۲۰۰۷ء میں پولیس کے ذریعہ مسلم نوجوانوں کو غیر قانونی طور پر حراست میں لینے اور انہیں ٹارچر کرنے کے الزامات کے بارے میں تفتیش کرنے اور حقائق کا پتہ لگا کر اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لئے اس کمیٹی کا تقرر کیا تھا۔ یہ کمیٹی اولاً اپنی عبوری اور پھر مکمل رپورٹ پیش کر چکی ہے جس میں اس نے پولیس کے ذریعہ خلاف قانون طور پر حراست میں لینے کا، ٹارچر، زدوکوب کرنے اور عقوبت خانوں میں پہنچانے کی تصدیق کی ہے۔ ساتھ ہی کمیٹی نے مستقبل میں اس طرح کی حرکتوں کو دہرائے جانے سے روکنے اور تدارک کرنے کے لئے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں اور سفارش بھی کی ہیں۔ اس کے علاوہ آندھرا پردیش اقلیتی کمیشن نے ریاست میں ۲۴ گھنٹے ہیلپ لائن چلانے کی سفارش کی ہے جس کے ذریعہ انتظامیہ اور پولیس کے خلاف شکایتیں درج کی جا سکیں۔

۹؍ اپریل کو جاری کردہ اپنے بیان میں (بحوالہ ریڈینس ویوز ویکلی) انڈین مسلم کونسل یو ایس اے (امریکہ) نے جس نے خود کو بھارت کی تکثیری اور رواداری والی اقدار کے تحفظ کے لئے وقف کر رکھا ہے ان ہزار ہا بھارتی امریکیوں کے ساتھ مل کر جو ایڈوکیٹ روی چندر رپورٹ کے پوری طرح نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں اس امر پر سخت ناگواری کا اظہار کیا ہے کہ آندھرا پردیش حکومت نے اب تک رپورٹ یا اس کی سفارشات پر عمل کے سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے جب کہ امریکہ کی مختلف ریاستوں میں آباد بھارتی امریکی اس سلسلہ میں وزیر اعلیٰ آندھرا پردیش اور ریاستی اقلیتی کمیٹی کے چیئرمین کو فون بھی کر رہے ہیں اور فیکس و ای میل بھی بھیج رہے ہیں۔ انڈین مسلم کونسل یو ایس اے نے دستخط شدہ پٹیشنوں کے ساتھ آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ وائی ایس راج شیکھر ریڈی پرنسپل سکریٹری جنت حسین، یو پی اے چیئرپرسن سونیا گاندھی، آندھرا پردیش اقلیتی کمیشن کے چیئرمین یوسف قریشی اور نیشنل مائناریٹیز کمیشن چیئرمین شفیع قریشی کو فوری طور پر کارروائی کا مطالبہ کرتے ہوئے خطوط ارسال کئے ہیں۔

واضح ہو کہ آندھرا پردیش اقلیتی کمیشن کی طرح حقائق کا پتہ لگانے کے لئے مقرر ایک آزاد کمیٹی نے جس میں فورینسک ایکسپرٹ ڈاکٹر مہندر ریڈی بھی شامل تھے اپنی دستاویز میں کہا ہے کہ بہت سارے نوجوان مسلمانوں کو ۲۰۰۷ء میں مکہ مسجد اور گوکل پارک کے بم دھماکوں کے بعد کوئی الزام لگائے بغیر اور کوئی قصور بتائے بغیر گرفتار کیا گیا تھا ان کے اہل خاندان میں سے بھی کسی کو ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی گئی، ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے انہیں زمین پر ڈال دیا گیا۔ زدوکوب کیا گیا۔ پوری طرح ننگا کیا گیا۔ نازک حصوں پر ایک مشین کے ذریعہ شاٹ لگائے گئے۔ بار بار چاقو کے لگائے گئے، زمین پر ڈال کر گھسیٹا گیا۔ داڑھیاں کھینچی گئیں، یہاں تک کہ ان کے بال اکھڑ گئے۔ انہیں بلیک میل کیا گیا کہ ان کے گھر والوں کو بھی عقوبتیں دی جائیں گی۔ یہ سب کچھ اس حالت میں کیا گیا کہ مشتبہ افراد کو حیدرآباد کی پولیس نے ۱۰ دن تک غیر قانونی طور پر حراست میں لئے رکھا تھا حالانکہ قانون کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کے ملزموں کو گرفتاری کے بعد ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔

جہاں یہ امر خوش آئندہ ہے کہ ان معصوم مسلم نوجوانوں کو گزشتہ سال آندھرا پردیش کریمنل کورٹ نے بری کر دیا ابھی تک آندھرا پردیش حکومت کی طرف سے ایڈوکیٹ روی چندر کی پیش کردہ سفارشات پر غور و فکر یا فیصلہ کے بارے میں کچھ نہیں ہو سکا ہے انڈین مسلم کونسل یو ایس اے نے خاص طور پر اس امر پر بھی اپنی ناگواری کا اظہار کیا ہے کہ سیاسی اور مذہبی دونوں قسم کے مسلم لیڈروں نے بھی اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ کونسل نے اس امر کا بھی نوٹس لیا ہے کہ آندھرا پردیش کے مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے یونائٹیڈ مسلم فورم نے ایڈوکیٹ روی چندر رپورٹ پر عمل کا مطالبہ کرنے کی بجائے ۲۷؍ مارچ ۲۰۰۷ء کو ایک پبلک فورم سے ایک اور تفتیش کا مطالبہ کیا ہے۔ جس کا مقصد وقت اور سرمایہ کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس طرح کی تحقیقات تو کبھی ختم ہی نہیں ہوں گی۔ جب کہ ضرورت حالات کو بہتر بنانے اور کرپشن کی غلط کاریوں کی اصلاح کی ہے۔ کونسل نے بم دھماکوں سمیت ہر قسم کے تشدد کی مذمت کی ہے خواہ اس کا ارتکاب کسی نے بھی، کسی بھی جگہ اور کسی بھی موقع پر کیوں نہ کیا ہو۔ کونسل نے حکومت کے ان افسران اور ایجنٹوں کی بھی شدید مذمت کی ہے جنہوں نے قانون شکنی کے مرتکب ہونے میں قانون و ضابطہ کو پامال کیا ہے اور شہریوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے اور وقار کو مجروح کیا ہے۔ ان تفصیلات کے سامنے آ جانے کے بعد آندھرا پردیش کے کانگریس وزیر اعلیٰ وائی ایس راج شیکھر ریڈی اور گجرات کے یا دوسری ریاستوں اور بی جے پی وزراء اعلیٰ و لیڈروں کے عمل و ذہنیت اور کردار میں کس قدر فرق کیا جا سکتا ہے؟ مذہبی رواداری پر یقین رکھنے کا ڈنکا پیٹنے والے اور فرقہ پرستی کے مخالف ہونے کا دعویٰ کرنے والے اسی طرح محض زبانی جمع خرچ سے کام لیتے رہیں گے تو اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا نکلے گا کہ ان پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا اور ان کا بھرم بھی کھل جائے گا، لوگ یہی سمجھیں گے کہ ان کی نیتوں میں بھی کھوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ پرستی اور فسطائیت پسند عناصر مذہبی رواداری کا دعویٰ کرنے والوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ان کا دعویٰ کھوکھلا ہے۔ (ع ق)

اظہار ناراضگی کا یہ انداز درست نہیں

جوتے کا نشانہ بننے والوں میں وزیر اعظم منموہن سنگھ بھی شامل ہو گئے یہ بات دیگر ہے کہ ان پر پھینکا گیا جوتا اسٹیج سے خاصے فاصلے پر ہی گر گیا۔ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وزیر اعظم گجرات کے ٹیگور میدان میں ریاست میں اپنے پہلے انتخابی جلسہ سے خطاب کر رہے تھے، کمپیوٹر انجینئرنگ کے ایک طالب علم نے جس کی شناخت ہتیش چوہان کے طور پر کی گئی ہے وزیر اعظم پر جوتا اُچھال دیا۔ ہتیش چوہان باپو نگر علاقہ کا رہنے والا ہے۔ واقعہ کے فوراً بعد سیکورٹی ایجنسیوں کے ذریعہ اسے حراست میں لے لیا گیا۔ وزیر اعظم نے اس واقعہ سے متاثر ہوئے بغیر اپنی تقریر جاری رکھی، کانگریس لیڈر شکتی سنگھ گوول کے مطابق وزیر اعظم نے اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد انہیں بلا کر کہا کہ انہوں نے اس لڑکے کو معاف کر دیا ہے لہٰذا اس کے خلاف ضابطہ کی کارروائی پر زور نہ دیا جائے۔

جوتا پھینکنے کی وجہ کیا ہے اس سلسلہ میں ایک خیال یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ہتیش نے محض شہرت کے حصول کے لئے یہ حرکت کی۔ دوسری طرف گجرات کانگریس کے صدر سدھارتھ پٹیل نے الزام عائد کیا ہے کہ ہتیش چوہان کا بی جے پی کی طلباء تنظیم اے بی وی پی سے تعلق ہے۔ کرائم برانچ کے مطابق چوہان کا کہنا ہے کہ اس کا یہ قدم پہلے سے منصوبہ بند نہیں تھا اس نے جو کچھ کیا وہ فی الفور اور نتائج پر غور کئے بغیر اٹھایا گیا قدم تھا۔ پولیس ڈپٹی کمشنر ابھے چوڑاسما کے مطابق ہتیش چوہان گزشتہ دو ہفتوں سے انتخابی ریلیوں میں شریک ہوتا تھا اور لیڈران کی تقاریر سنتا تھا۔ اس مرتبہ جب وزیر اعظم اپنی تقریر کے دوران اپنی حکومت کی طرف سے کئے گئے ترقی کے کاموں کو بیان کر رہے تھے تو وہ ''خود پر کنٹرول کھو بیٹھا'' اور چیخ کر کہا کہ ''جھوٹ بولنا بند کرو'' اس کے بعد وہ کرسی پر چڑھ گیا اور اپنا جوتا اتار لیا۔

اس واقعہ کی بی جے پی اور کانگریس دونوں پارٹیوں نے مذمت کی ہے کانگریس ترجمان ابھیشیک سنگھوی کا کہنا ہے کہ حالیہ سیاست کے اس نئے چلن کی نہ صرف مذمت کی جانی چاہئے۔ بلکہ سبھی سیاسی پارٹیوں کو متحد ہو کر اسے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے بی جے پی کے ترجمان روی شنکر پرساد نے کہا کہ یہ طریقہ جمہوری سیاست کا حصہ نہیں ہے ہم اس کی مذمت کرتے ہیں، سابق وزیر اعظم ایچ ڈی دیوے گوڑا نے بھی اس طرح کی حرکت کو جمہوریت کے منافی بتاتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے۔ پرکاش جاوڈیکر نے بھی کہا ہے کہ جمہوریت میں ناراضگی کے اظہار کے لئے جو مسلمہ طریقے ہیں اپنی خواہشات کے اظہار کے لئے انہیں ہی اختیار کیا جانا چاہئے۔ ناراضگی کے اظہار کا یہ طریقہ ناقابل تسلیم ہے۔

اس روز گجرات کے احمد آباد میں ہی بی جے پی کے لیڈر اور وزارت عظمیٰ کے امیدوار لال کرشن آڈوانی پر بھی جوتا پھینکا گیا۔ اس سے قبل سولہ اپریل کو کٹنی، مدھیہ پردیش میں ان پر کھڑاؤن پھینکی گئی تھی۔ اس سے پہلے وزیر داخلہ پی چدمبرم اور ہریانہ میں ممبر پارلیمنٹ نوین جندل پر بھی جوتے پھینکے گئے۔ تھے۔ جوتے پھینکنے کے اس تسلسل کے پیش نظر ہی مدھیہ پردیش واقعہ کے بعد کوالالمپور کے ایئر پورٹ پر لال کرشن آڈوانی سے ملاقات کرنے والے پارٹی کارکنان کے جوتے اُتروالئے گئے تھے۔ جوتے پھینکنے کے ان واقعات پر نظر ڈالنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک سلسلہ چل پڑا ہے۔ اس کی ابتداء بغداد، عراق میں اس وقت کے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش پر ایک عراقی صحافی کے ذریعہ سے ہوئی جسے متعدد ممالک میں دہرایا گیا۔ اب تک ہمارے ملک میں اس سلسلہ میں متعدد واقعات پیش آ چکے ہیں۔

اگر اس کے پس پردہ محرکات پر غور کریں تو موجودہ سیاسی نظام اور حکمرانوں کے غیر منصفانہ طرز عمل کے خلاف ایک ردعمل ہے۔ ہر طرف ناانصافی، نابرابری، بے روزگاری، مہنگائی اور فلاح و بہبود، رفاہ عامہ کے کاموں کی طرف سے یک گونہ بے توجہی بالعموم نظر آتی ہے۔ اس پر موجودہ طرز سیاست ماسوا ہے جس کی حقیقت بھی سب پر عیاں ہے۔ سیاسی دعوؤں اور وعدوں سے بھی سبھی واقف ہیں۔ گوکہ عوام کی طرف سے اظہار ناراضگی کا یہ طریقہ سراسر غلط ہے اور اس کی مذمت کی ہی جانی چاہئے لیکن اس کے اسباب پر غور کر کے ارباب اقتدار کو اس کے تدارک کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔

ہتیش چوہان کی طرف سے جوتا پھینکنے سے پہلے بلند آواز میں کہا گیا یہ جملہ ''جھوٹ بولنا بند کرو'' ایسے وقت میں کہا گیا جب منموہن سنگھ اپنی حکومت کی طرف سے کئے گئے ڈیولپمنٹ کے کاموں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آج کے عوام اب محض دعوؤں سے مطمئن ہونے والے نہیں ہیں، بادی النظری میں موجودہ حکومت کا اس سلسلہ میں دعویٰ بھی سابقہ حکومت کے ''انڈیا شائننگ'' اور ''فیل گڈ'' کے نعروں سے کچھ مختلف ہے یہ الگ بات ہے کہ موجودہ حکومت نے اسے خوبصورت الفاظ سے سجا کر پیش نہیں کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ سابقہ حکومت کا حشر بھی ہو سکتا ہے۔

آج کے دور میں لوگ حقیقی دنیا جس میں وہ رات دن رہتے بستے ہیں اور زندگی کے سرد و گرم ایام کا سامنا کرتے ہیں اس میں مثبت خوش کن اور تعمیری ترقی کو رواں دواں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب نہ تو جذباتی نعروں کا ان پر کوئی خاص اثر ہوتا ہے اور نہ ہی خواب آور تقاریر انہیں گمراہ و متاثر کرنے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ حالات کا تقاضا ہے کہ حکمرانوں کی غیر منصفانہ روش اور سیاستدانوں کے خود غرضانہ رویہ میں ایسی تعمیری اور مثبت تبدیلی واقعہ ہو جس تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے بلکہ وہ ہمہ وقت اور ہر جگہ نظر آئے۔ (ع ک)

بلاتبصرہ

ماؤنوازوں سے مذاکرات کرنا اور انہیں ملکی سیاست میں شامل کرنا اس وقت بہت اہم ہے۔ بہت سے نوجوان نکسلزم سے متاثر ہو رہے ہیں جو ہمارے ملک کی اندرونی سلامتی کے لئے خطرہ ہے۔ تشدد کا جواب محض تشدد سے دے کر اس صورت حال پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ نکسلزم ایک سماجی مسئلہ ہے جو فرقہ پرستی سے زیادہ خطرناک ہے۔

شیو پرتاپ، نئی دہلی

ہندو، ۲۷؍ اپریل ۲۰۰۹ء

خبر و نظر

سکھ برادری اور وزیر اعظم

کیا ڈاکٹر منموہن سنگھ کو دوبارہ وزیر اعظم بننا چاہئے؟ اس سوال کا جواب شرومنی گرودوارہ پربندھک کمیٹی کے سربراہ سردار اوتار سنگھ مکڑ نفی میں دیتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ منموہن سنگھ ہی کیا کسی بھی سکھ کو وزیر اعظم یا صدر جمہوریہ نہیں بننا چاہئے۔ اس کا سبب؟ سردار مکڑ کے نزدیک یہ ہے کہ'' ڈاکٹر سنگھ نے اپنے پانچ سالہ دور حکومت میں سکھ فرقے کی کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ اس سے قبل گیانی ذیل سنگھ صدر جمہوریہ بنے تھے لیکن انہوں نے بھی سکھ قوم کی بہتری کے لئے کچھ نہیں کیا۔ اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ سکھ قوم کا کوئی فرد صدر جمہوریہ یا وزیر اعظم بنے۔'' اوتار سنگھ مکڑ کے مطابق سکھ فرقے کے مسائل کے سلسلہ میں ایس جی پی سی نے وزیر اعظم منموہن سنگھ کے سامنے بیس مطالبات پیش کئے لیکن انہوں نے ایک بھی پورا نہیں کیا۔ شرومنی گرودوارہ پربندھک کمیٹی سکھ فرقے کے مذہبی امور انجام دینے والا سب سے بڑا اور بااختیار ادارہ ہے۔ اس کے صدر کا ہر بیان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سردار مکڑ نے روزنامہ ایشین ایج (۲۵؍ اپریل) کو یہ بیان ان اطلاعات کے دوران دیا کہ پنجاب میں کانگریس پارٹی ڈاکٹر منموہن سنگھ کو دوبارہ وزیر اعظم بنانے کے اعلان کے ساتھ سکھوں سے ووٹ مانگ رہی ہے۔

شکایت ناقابل فہم ہے

ہمیں نہیں معلوم کہ پربندھک کمیٹی کے رہنما نے یہ رائے کہ سکھ وزیر اعظم یا صدر کچھ نہیں کرتے، محض دو تجربات کو سامنے رکھ کر قائم کی ہے یا کچھ اور تجربات بھی ہیں۔ نیز یہ بھی نہیں معلوم کہ سکھ صدر یا وزیر اعظم سے وہ ایسا کون سا کام لینا چاہتے تھے جو سکھ قوم کے لئے دوسروں نے انجام نہیں دیا۔ پھر یہ کہ کانگریس نے منموہن سنگھ کو وزیر اعظم اس لئے نہیں بنایا تھا کہ وہ سکھوں کے مسائل حل کر دیں گے، بلکہ پانچ سال قبل جس بحرانی کیفیت میں ڈاکٹر سنگھ کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا تھا، اس میں کانگریس یا سونیا گاندھی کے سامنے سکھوں کو خوش کرنے کا مسئلہ بھی نہیں تھا۔ اس فیصلے کا کوئی بین الاقوامی پہلو بھی نہیں تھا۔ لہٰذا سکھ لیڈر کی شکایت فہم سے بالاتر ہے۔ البتہ مسلمان اگر یہ شکایت کریں تو وہ بالکل درست ہوگی۔ اب تک تین مسلمان صدور جمہوریہ ہوئے ہیں۔ ان میں سے مسلم ملت کے لئے کسی نے کچھ نہیں کیا، نہ وہ کچھ کرنے کے لئے اس منصب پر پہنچے تھے، نہ انہیں کچھ کرنے کے لئے وہ منصب عطا کیا گیا تھا، نہ وہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ انہیں تو بس ملکی مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے اور مسلم دنیا کے سامنے سیکولر انڈیا کی تصویر پیش کرنے کے لئے یہ آئینی منصب دیا گیا تھا۔

بڑی عبرتناک داستان ہے

بڑی عبرتناک داستان ہے۔ آغاز ہوتا ہے مولانا آزادؒ سے جو وزیر تعلیم کی شکل میں حکومت کا حصہ بننے کے بعد پُراسرار طور پر خاموش ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے اپنے پیش رو صدر جمہوریہ کے سامنے ۲۲ ؍لاکھ دستخط کے ساتھ اُردو کا مقدمہ پیش کیا تھا مگر جب خود اُسی منصب پر پہنچے تو بے بسی کی تصویر بن کر رہ گئے۔ فخر الدین علی احمد نے اندرا گاندھی کی ایمرجنسی پر دستخط صدر جمہوریہ کی حیثیت سے کئے تھے، لیکن جب اُسی ایمرجنسی کے تحت اندرا گاندھی نے اپنے خلاف تحریک چلانے کی پاداش میں آر ایس ایس پر پابندی لگائی اور سیاسی توازن قائم کرنے کے لئے جماعت اسلامی کو بھی لپیٹ لیا تو یہ مسلم صدر جمہوریہ بے بسی کے ساتھ یہ سب دیکھتے رہے۔ پتہ نہیں اپنی ملت کی ایک جماعت کے ساتھ اس زیادتی کا احساس انہیں تھا بھی یا نہیں؟ آزادی کے بعد سے مرکزی کابینہ میں مسلم لیڈروں کی شمولیت کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر یہ مسلم وزراء ملت کے لئے کتنے مفید ثابت ہوئے، ملت جانتی ہے۔ یہ بے بسی یا عافیت پسندی ہر سطح پر پائی جاتی ہے۔ مسلم سرکاری افسران اپنے فرائض منصبی ادا کرتے وقت مسلمانوں کے معاملات میں بہت محتاط دیکھے گئے ہیں کہ مبادا ان پر فرقہ پرستی کا الزام آ جائے۔ ججوں تک کے بارے میں سنا گیا ہے کہ مقدمہ کی مضبوطی کے باوجود مسلم فریق کے حق میں فیصلہ نہیں دیا —— سکھ برادری اگر خود کو اقلیت سمجھتی ہے تو ذرا اس طرف بھی دیکھ لے۔ (پ ر)

اور اب مغرب پر سوائن فلو کا حملہ

اس وقت مغربی دنیا مختلف قسم کے مسائل میں گھری ہوئی ہے، ان میں مالیاتی بحران گو سب سے بڑا مسئلہ ہے لیکن دوسرے مسائل بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں، ان میں حجم کے اعتبار سے بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور فہرست بھی طویل ہو رہی ہے۔ ایک نیا مسئلہ جو ابھی چند روز پہلے پیدا ہوا ہے اس نے سخت ہیجانی کیفیت پیدا کر دی ہے، وہ مسئلہ ہے سوائن (خنزیر) فلو کا، جس کی ابتدا تو میکسیکو سے ہوئی ہے تاہم اس کو ایک بین الاقوامی وبا قرار دیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کناڈا، فرانس، نیوزی لینڈ اور بعض دوسرے ممالک میں بھی اس وبائی مرض کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں، جس کی وجہ سے امریکہ میں پبلک ہیلتھ ایمرجنسی کا اعلان کر دیا گیا ہے، میکسیکو نے ہنگامی صورت حال کا پہلے ہی اعلان کر دیا تھا، جہاں تادم تحریر ۱۰۳ افراد اس مرض کا شکار ہو کر موت کی نیند سو چکے ہیں اور ایک ہزار سے زیادہ افراد زیر علاج ہیں۔ امریکہ سے اس کی وجہ سے تادم تحریر کسی موت کی اطلاع تو نہیں ملی ہے مگر ۲۰ مریضوں کے بارے میں اس کی تصدیق ہو چکی ہے کہ وہ اسی وبائی مرض کا شکار ہو گئے ہیں، اس کا حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ ان میں سے آٹھ مریض نیویارک سٹی کے ہیں۔ واضح رہے کہ میکسیکو امریکہ کے انتہائی جنوب میں واقع ہے جب کہ نیویارک انتہائی شمال میں اور یہ مرض انتہائی جنوب سے انتہائی شمال تک پہنچ گیا ہے۔ اس کا شکار ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس پر قابو نہیں پایا جا سکا ہے۔ تاہم تحریر امریکہ کی پانچ ریاستوں کے بارے میں یہ اطلاعات آ چکی ہیں کہ وہاں یہ پہنچ گیا ہے، اس نے امریکہ اور مغربی ملکوں کو اسی قدر پریشان کر دیا ہے کہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن بھی حرکت میں آ گئی ہے اس نے اس کو وبائی مرض قرار دے دیا ہے اور پوری دنیا کو اس سے خبردار کر دیا ہے کہ وہ دیکھتے دیکھتے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے تک پہنچ سکتا ہے، کیونکہ یہ وبائی اور متعدی مرض ہے جو ایک سے دوسرے کو لگ سکتا ہے۔ یہ ایک قسم کا بخار ہے جو ایک جانور یعنی خنزیر سے انسانوں کو منتقل ہوا ہے، اس کے علامتوں میں کھانسی بدن درد، گلا میں تکلیف اور سستی و کاہلی بتایا گیا ہے۔ طبی ماہرین ابھی تک اس کا پتہ لگانے میں ناکام ہیں کہ یہ بیماری آخر کیسے شروع ہوئی، اس کا سبب کیا ہے۔

اب یہ محض صحت عامہ کا ایک مسئلہ نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس نے زندگی کے دوسرے شعبوں کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق متعدد ملکوں نے ہوائی سفر کی کڑی نگرانی شروع کر دی ہے یہی نہیں بلکہ ہوائی اڈوں پر مسافروں کی سخت چیکنگ شروع ہو گئی ہے، میکسیکو جانے اور وہاں سے دوسرے ملکوں کے سفر میں لوگ محتاط ہو گئے ہیں، جن ملکوں کے بارے میں یہ اطلاعات آ رہی ہیں وہاں بھی اس مرض نے پیر جمانے شروع کر دیے ہیں، وہاں کے بارے میں بھی لوگوں میں احتیاط کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔

باقی صفحہ ۸ پر

دیر میں آپریشن شروع

پشاور- بی بی سی اُردو سروس کے نمائندہ پشاور کی اطلاع کے مطابق پاکستان کی سیکورٹی فورسز نے پاکستان کے صوبہ سرحد کے ضلع دیر میں طالبان کے خلاف آپریشن شروع کر دیا ہے، اور دو درجن سے بھی زیادہ دہشت گردوں کو مار گرانے کا دعویٰ کیا ہے۔ پاکستانی فوج کے ترجمان میجر جنرل اطہر عباس کے مطابق یہ آپریشن فرنٹیئر کور نے صوبائی حکومت کے مطالبے پر شروع کیا ہے مگر بعض دوسرے ذرائع یہ کہتے ہیں کہ پاکستان نے یہ آپریشن امریکہ اور بعض دوسری بڑی طاقتوں کے دباؤ میں آ کر شروع کیا ہے۔ واضح رہے کہ امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس اور وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے پاکستان کی موجودہ صورت حال کو انتہائی تشویش ناک قرار دیتے ہوئے حکومت پاکستان سے ٹھوس قدم اٹھانے کا مطالبہ کیا تھا۔

اور اب سوائن (خنزیر) فلو

میکسیکو سٹی- میکسیکو کے حکام کا کہنا ہے کہ سوائن فلو کی وبا سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد اکیاسی تک پہنچ گئی ہے۔ میکسیکو کے شعبۂ صحت کے سکریٹری کا کہنا ہے کہ ایسے ایک ہزار تین سو چوبیس افراد اسپتالوں میں داخل ہیں واضح رہے کہ سوائن فلو میکسیکو تک محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ یہ امریکہ کے علاوہ نیوزی لینڈ جیسے دور دراز کے ملکوں تک بھی پہنچ گیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ امریکہ کی ریاستوں نیویارک، ٹیکساس، کیلی فورنیا اور کناس میں تادم تحریر سوائن فلو سے متاثرہ گیارہ مریضوں کی تصدیق کر دی گئی ہے۔ عالمی ادارہ صحت نے اس صورت حال کو لیول تھری، یا تیسرے درجے کا وبائی خطرہ قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں جنیوا میں صحت عالمی ادارہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا اور یہ کہا جا رہا ہے کہ ادارہ کی طرف سے بین الاقوامی ہیلتھ ایمرجنسی کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ امریکہ نے پہلے ہی ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا ہے۔

تمل باغیوں کی یک طرفہ جنگ بندی

کولمبو- تمل باغیوں کی طرف سے یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق انہوں نے یہ کہا ہے کہ اقوام متحدہ، امریکہ، حقوق انسانی کی تنظیموں اور ہندوستان کی طرف سے جاری کردہ اپیلوں کے مدنظر انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہے مگر سری لنکا کی حکومت نے اس یک طرفہ جنگ بندی کو قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ ایسے موقع پر جنگ بندی تمل باغیوں کی ایک چال ہے تاکہ انہیں مسلح ہونے کا موقع مل جائے۔ اب یا تو فوجی کارروائی کے نتیجہ میں ان کا صفایا کر دیا جائے گا یا پھر انہیں ہتھیار ڈال دینا چاہئے کہ اس وقت ان کے خلاف فوجی کارروائی روکی جائے گی۔ دریں اثنا انسانی حقوق کے لئے اقوام متحدہ کے اعلیٰ افسر جان ہومز کولمبو پہنچ گئے ہیں۔

عالمی مالیاتی فنڈ کا انتباہ

نیویارک- عالمی بینک کے صدر رابرٹ زولک نے خبردار کیا ہے کہ اگر معاشی بحران سے نپٹنے کے لئے فوری اقدامات نہ کئے گئے تو انسانی بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بات عالمی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک کی پالیسی ساز کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے بعد اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ مالیاتی بحران کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ترقی پذیر ممالک سے غربت کو ختم کرنے کے لئے جو عالمی اہداف مرتب کئے گئے تھے ان میں اکثر پورے نہیں ہو سکیں گے۔ ان اہداف کا تعلق بھوک، زچہ بچہ کی صحت، تعلیم ایچ آئی وی اور ایڈز، ملیریا اور دیگر بڑی بیماریوں کے خاتمے میں پیش رفت سے ہے۔

ظلم کیخلاف ایک آواز جو خود ظلم کا شکار ہوگئی

ڈاکٹر محمد حنیف شباب، آفرین کلینک، مین روڈ، بھٹکل

◎

ہندوستان میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی اور اس کے نتیجہ میں ہونے والے فسادات نے مسلمانوں کو دیگر مورچوں کے ساتھ قانونی محاذ پر بھی بے کسی اور یتیمی کی صورتحال سے دوچار کردیا ہے۔ پھر جب قانون اور عدل وانصاف کے دروازوں پر بھی فسطائیت نے اپنے پہرے دار بٹھا دیئے تب ملت کے درد مندوں نے اس کی شدید ضرورت محسوس کی کہ جہاں امن وقانون کے نفاذ کے لئے ذمہ داروں میں ہمارے نوجوانوں کا نفوذ ضروری ہے وہیں عدل وانصاف کے حصول کے لئے بھی ملی حمیت والے باشعور اور باکردار نوجوان ماہرین قانون کی بھی اشد ضرورت ہے جب پچھلی دہائیوں میں تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کو ٹارگیٹ بنا کر ملک کی سلامتی کے نام پر جبر واستبداد کی سولی پر چڑھایا جانے لگا تو ملت کے ہر طبقہ نے اس محاذ کو انتہائی کمزور پایا اور اسے مضبوط تر بنانے کی تدابیر کرنے لگا۔

یہ سچ ہے کہ تقسیم ہند کے ساتھ ملت اسلامیہ ہند ہر محاذ پر یتیمی اور بے کسی کا شکار ہوگئی تھی۔ مگر آزادی کے پچاس ساٹھ سال بعد بھی کم از کم قانون کے محاذ پر تو صورتحال امید افزا نہیں ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پوری ملت کے پاس ماہرین قانون کے طور پر اگر کچھ نام جیسے یوسف مچھالہ، مجید میمن ظفریاب جیلانی وغیرہ ہیں جو پیشہ وارانہ مہارت کے ساتھ مسلم کاز کا دفاع اور تحفظ کرسکتے ہیں تو وہ بھی صرف انگلیوں پر گننے کے لائق ہیں۔ جب کہ ملت کے مسائل کا تو انبار لگا ہوا ہے جس میں ہر دن نیا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ کیا یہ طرفہ تماشہ نہیں ہے کہ ملت کے نوجوانوں اور ملی اداروں سے متعلق اہم اور پیچیدہ معاملات میں بہتر قانونی دفاع کے لئے ہمیں غیر مسلم وکلاء اور ماہرین کے دروازے کھٹکھٹانے پڑتے ہیں۔ کیا یہ امر افسوسناک نہیں ہے کہ ہندوستان میں آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹی اقلیت پارسی قوم تک سولی سوراب جی جیسی کئی ماہرین قانون اپنے پاس رکھتی ہے جب کہ اٹھارہ ہیں کروڑ کی مسلم آبادی کے پاس اس پایہ کا ایک بھی قانون داں نہیں ہے، نہ کوئی پالکھی والا نہ کوئی جیٹھ ملانی۔

صوبائی یا مقامی سطح پر یوں تو سینکڑوں مسلم وکلاء موجود ہیں۔ مگر ان میں زیادہ تر افراد وکالت برائے وکالت کے قائل ہیں۔ اس منصب کے ملی تقاضوں کے سلسلے میں ان کا رویہ امید افزا نہیں کہا جاسکتا۔ کچھ افراد ضرور ہیں جو مسلسل فسادات اور مسلم کشی کے رجحان سے متاثر ہوکر قانونی محاذ پر ملت کی مخلصانہ رہنمائی اور پشت پناہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ مدمقابل یعنی فسطائیت کے علمبرداروں نے اپنی دور اندیشی اور منصوبہ بندی سے اس محاذ پر بھی اپنے وکلاء اور قانونی پیروی کے لئے ماہرین کی جو کھیپ تیار رکھی ہے، ہمارے وکلاء اپنے تمام تر اخلاص اور عزم وحوصلہ کے باوجود اس کا مقابلہ اسی سطح پر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اس بات کا تلخ تجربہ مجھے بھٹکل فسادات کی تحقیقات کے لئے قائم جسٹس جگناتھ شیٹی کمیشن میں پیشی کے دوران ہو چکا ہے۔ سنگھ پریوار کے وکیل جس طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف الزامات لگانے اور زہر اُگلنے کی تیاری کر کے آرہے تھے، اپنی بات کو مدلل بنانے کے لئے قرآنی آیات، احادیث اور اسلامی تاریخ کا حوالہ دے رہے تھے اور جس طرح گواہوں کے ساتھ اپنی ذہانت اور موقع کا مکارانہ استعمال کررہے تھے اس طرح ہمارے وکلاء ان پر جوابی حملہ کرنے یا جارحانہ دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ادھر منصفی کا بھی وہ حال تھا کہ بقول حفیظ میرٹھیؔ

جانتے ہیں وہ حقیقت کو چھپا کر رکھنا
قتل کرنا جسے الزام اسی پر رکھنا
اس سے خونریزی کی لت بھی نہیں چھوڑی جاتی
تمغۂ امن بھی چاہے وہ ستمگر رکھنا

نتیجتاً کمیشن کی رپورٹ کو سنگھ پریوار کے ایجنڈے کے مطابق جس طرح مسلم مخالف آنا تھا، اسی طرح آگئی اور اب تک بالخصوص بھٹکل کے مسلمانوں کے خلاف یہ ایک لٹکتی ہوئی تلوار بنی ہوئی ہے۔

اس صورتحال کا ایک خوش آئند پہلو یہ ہے کہ جہاں کچھ سیکولر ذہنیت کے انسانیت نواز ماہرین قانون مسلمانوں کو انصاف دلانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد کررہے ہیں یا پیشہ وارانہ خدمات فراہم کررہے ہیں، وہیں ایک سنگین پہلو یہ بھی ہے کہ بعض دفعہ مسلم نوجوانوں کو عدل وانصاف کے حصول میں بھی فسطائیت اور بدترین فرقہ پرستی سے دوچار ہونا پڑتا ہے جہاں نامور غیر مسلم وکلاء ہمارے مؤکل بننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ دہشت پسندی اور ملی ٹینسی کا لیبل لگا کر جن نوجوانوں کو پابند سلاسل کیا گیا ہے کہ انہیں دیش بھکتی کے نام پر قانونی امداد فراہم نہ کرنے اور جبر وستم کی سولی پر چڑھائے رکھنے کا فیصلہ کئی عدالتوں سے متعلق خود قانون کے رکھوالوں نے کیا ہے جو عدل وانصاف کے بنیادی تقاضوں کے بالکل منافی ہے۔ لیکن جو بھی اس چنگیزی فیصلے کی خلاف ورزی کرنے کی سوچتا ہے اس پر دن دہاڑے دھاوا بول دیا جاتا ہے۔

اس کا ذاتی تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب میرے اپنے بھائی کو گزشتہ دو ڈھائی سال قبل فسادات سے متعلق ایک قتل کے معاملے میں منصوبہ بند طریقہ سے پھنسایا گیا۔ اس کی ضمانت کے لئے پہلے تو سیشن کورٹ کے ایک نامور وکیل نے کیس لینے سے انکار کردیا۔ پھر ہائی کورٹ کی ایک بہت ہی نامور وکیلوں کی ٹیم سے رجوع کیا گیا تو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے انہوں نے یہ کہتے ہوئے مقدمہ لڑنے سے انکار کردیا کہ ہم بھٹکل کے مسلمانوں کے مقدمات نہیں لڑیں گے۔

یعنی بھٹکل کو مسلم دہشت گردی کا اڈہ کہہ کر روز نئی کہانیاں میڈیا میں جو اُچھالی جارہی ہیں، اس سازش کا منطقی اور منفی نتیجہ یہ ہے کہ نام نہاد دیش بھکتی کا جوش وجذبہ عدل وانصاف کی راہ میں بھی رکاوٹ بن رہا ہے۔

ایسی مایوس کن صورتحال میں بھٹکل کا ایک نوجوان اپنے اہل خانہ کی ہمت افزائی کے ساتھ اپنی لگن اور سخت محنت سے وکالت کی ڈگری لے کر میدان عمل میں نوشاد علی قاسم جی کے نام سے اُترتا ہے، جنوبی کینرا کے انتہائی نامور کریمنل وکیل مسٹر پرشوتم پجاری کے جونیئر کے طور پر اپنے کیریئر کا آغاز کرتا ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ذہانت، چابکدستی اور اپنے پیشہ ورانہ مقصد کے تئیں ایماندارانہ جنون کے بل پر نہ صرف اپنے ساتھیوں کی نظروں میں بلند اور معتبر ہوجاتا ہے بلکہ اپنے سینئر کی نظروں کا تارہ بن جاتا ہے۔ جن عدالتوں میں پیش ہوتا ہے وہاں ملزم، گواہ ساتھی وکلاء اور ججوں تک پر اپنی جرح اور قانونی چابکدستی کی چھاپ بالکل اسی طرح چھوڑتا جاتا ہے جس طرح اس کے سینئر مسٹر پرشوتم پجاری۔ کم عمری کے باوجود اس کی ترقی کی رفتار جہاں اس کے چاہنے والوں کے دل خوش کردیتی ہے، اس کی ملی ہمدردی جہاں بہی خواہان ملت اور ستم زدگانِ قوم کے لئے ستارۂ امید ثابت ہوتی ہے۔ وہیں اس کے حاسدوں اور دشمنوں کی تعداد میں بھی اضافہ کا باعث بن جاتی ہے۔ فسطائی ایجنڈے پر عمل پیرا قانونی مورچہ سنبھالے ہوئے وکیلوں کی صفوں میں بے چینی واضطراب بلکہ کپکپی صاف محسوس ہونے لگتی ہے اور حالات اس طرح پلٹا کھانے لگتے ہیں کہ نوشاد جیسا بے باک، ذہین اور جرأت مند نوجوان وکیل ایک طرف اقلیت دشمن اور سازشی اعلیٰ پولیس افسران اور دوسری طرف سنگھ پریوار کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے۔

لیکن قانونی مہم جوئی میں اسے بڑا مزہ آتا تھا۔ خاص کر پولیس والوں کے خلاف مظلوموں کی حمایت کرنے سے اسے کوئی بھی طاقت روک نہیں پاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی کم عمری کے باوجود بہت سارے سینئر اور تجربہ کار وکیلوں سے زیادہ پیشہ وارانہ مقبولیت حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہوگیا۔ ساحلی کرناٹک میں جہاں مسلمان فسطائی طاقتوں اور پولیس کی زیادتیوں کی دوہری مار جھیل رہے ہیں اور قانون کی نظروں میں انہی کو مجرم ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش مسلسل جاری ہے، وہاں ایڈوکیٹ نوشاد ایک مسیحا بن کر اُبھر چکا تھا۔ حقوق انسانی کی پامالی کے خلاف آواز اٹھانے والی تنظیموں کے لئے اور ملی تشخص کے لئے جدوجہد کرنے والے اداروں کے لئے نوشاد کا وجود حقیقی معنوں میں ایک ڈھال بن کر سامنے آیا تھا۔ نوشاد جانتا تھا کہ وہ حقوق انسانی کی پامالی اور خصوصاً مسلمانوں پر قانون کے رکھوالوں کی جانب سے ہونے والے جس ظلم وتشدد اور جبر وستم کے خلاف آواز اٹھا رہا ہے۔ قانونی محاذ پر فرقہ پرست فسطائی طاقتوں اور ان کے محافظ پولیس والوں کے سامنے جس طرح سینہ سپر ہو رہا ہے اس کی قیمت اسے اپنی جان دے کر چکانی پڑسکتی ہے۔

اور جواں عزم ایڈوکیٹ نوشاد کا یہ خدشہ بالآخر گزشتہ دنوں حقیقت بن گیا جب منگلور میں واقع اس کے اپارٹمنٹ کے قریب ہی نامعلوم حملہ آوروں نے اس پر بہت قریب سے گولیاں چلائیں اور گردن کے پچھلے حصہ پر تیز دھار آلہ سے کئی وار کئے جس سے بچنے کی پوری کوشش کے باوجود نوشاد زخموں کی تاب نہ لاسکا اور موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا۔ اس کے اس بے رحمانہ قتل نے اس کے اہل خانہ پر تو غموں کا پہاڑ توڑ ہی دیا اس کے دوستوں اور چاہنے والوں پر بھی جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔ اس کے ساتھی وکیلوں میں غم وغصہ کے ساتھ ایک انجانے خوف کی لہر دوڑ گئی۔ بظاہر انڈر ورلڈ ڈان داؤد ابراہیم کے شارپ شوٹر رشید ملباری کا دفاعی وکیل بننا اس قتل کا اصل سبب بتایا جاتا ہے، مگر قتل کے کچھ ہی گھنٹوں بعد مافیا ڈان چھوٹا راجن کے گرگے روی پجاری نے بنگلور کے ایک نجی ٹیلی ویژن چینل کو فون کر کے اس قتل کی جو ذمہ داری قبول کی ہے اور اس نے جو تین وجوہ بیان کی ہیں اس میں قتل کی ایک اہم وجہ نوشاد کا حال ہی میں ٹیررزم کے نام پر گرفتار شدہ مسلم نوجوانوں کے قانونی دفاع کے لئے آگے بڑھنا ہے۔

لیکن جانکاروں کا کہنا ہے کہ اس قتل میں ہندوتو کے علمبردار خیمہ سے وابستہ دہشت گردوں اور پولیس کے کچھ اعلیٰ عہدیداروں کا ہاتھ ہے جن کے انڈر ورلڈ سے رشتے اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ پہلے ہی دن سے اس کیس کے سلسلے میں کھلے عام یہ شک بھی ظاہر کیا جارہا ہے کہ پولیس اس قتل کی سازش پر پردہ ڈالنے کے لئے کسی بھی معمولی مجرم کو زبردستی اس کیس میں پھنسائے گی اور قتل کا معمہ حل کرنے کا دعویٰ کر کے اصل مجرموں کو صاف بچالے جائے گی۔ اسی بنیاد پر عوام اور وکلاء برادری کی جانب سے مقامی پولیس کے ذریعہ اس قتل کی تحقیقات کو مسترد کرتے ہوئے سنٹرل بیورو آف انویسٹی گیشن کے ذریعہ تحقیقات کا مطالبہ روز بروز زور پکڑتا جارہا ہے۔

ایڈوکیٹ نوشاد اپنی بے پناہ محنت، لگن اور اپنے پیشہ کے تئیں جنون کے بل بوتہ پر نہ صرف اپنے ہمعصروں میں معروف ومقبول تھا بلکہ اس میدان کے شہسواروں میں بھی اسے بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ پورے جنوبی کینرا میں اپنی بے باکی اور قانونی مہارت کے لئے گزشتہ نصف صدی سے منفرد پہچان بنائے رکھنے والے نوشاد کے سینئر وکیل مسٹر پرشوتم پجاری نوشاد کے قتل پر اپنے احساسات کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں ''نوشاد میرے لئے اپنے بیٹے جیسا تھا۔ قانون اس کی انگلیوں پر تھا۔ ہندوستان کے کسی بھی ہائی کورٹ کے اہم فیصلے کا حوالہ وہ کسی بھی وقت دے سکتا تھا۔ یہاں تک کہ سپریم کورٹ کے فیصلے بھی اسے زبانی یاد تھے۔ اور جو بھی قانونی حوالہ اس کی نظروں سے ایک بار گزرتا اسے یاد ہوجاتا جسے بوقت ضرورت دوبارہ پیش کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ قانون کی دنیا میں اس کا مستقبل انتہائی تابناک تھا۔''

مسٹر پرشوتم پجاری نوشاد کے قتل کے لئے پولیس ہی کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے مزید کہتے ہیں کہ ''پولیس نے گہری سازش رچ کر میرے بچے کو مار ڈالا ہے۔ اب رشید ملباری کا کیس میں خود لڑوں گا تاکہ مقتول نوشاد کی روح کو تسکین مل جائے، چاہے اس میں خود میری بھی جان کیوں نہ چلی جائے۔'' کیا صرف سات آٹھ سال کی پریکٹس کے دوران اپنے سینئر کی نظروں میں اس طرح باوقار ہوجانا کوئی معمولی بات ہے۔

مسٹر پرشوتم پجاری نوشاد کے قتل کے لئے پولیس ہی کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے مزید کہتے ہیں کہ ''پولیس نے گہری سازش رچ کر میرے بچے کو مار ڈالا ہے۔ اب رشید ملباری کا کیس میں خود لڑوں گا تاکہ مقتول نوشاد کی روح کو تسکین مل جائے، چاہے اس میں خود میری بھی جان کیوں نہ چلی جائے۔'' کیا صرف سات آٹھ سال کی پریکٹس کے دوران اپنے سینئر کی نظروں میں اس طرح باوقار ہوجانا کوئی معمولی بات ہے۔

ایڈوکیٹ نوشاد کے بے تکلف دوست بہت کم تھے، کیونکہ وہ ایک کم گو اور کم آمیز نوجوان تھا جو صرف اپنے پیشہ اور اس کے تقاضوں کے ساتھ جنون کی حد تک انصاف کرنا جانتا تھا۔ وہ اپنے ہر کیس پر پوری دلجمعی کے ساتھ محنت کرنے اور ہر حال میں اپنے موکل کو انصاف دلانے میں یقین رکھتا تھا۔ اس لئے عام لوگ اس کی طبیعت اور اس کے مشن اور وژن سے کم ہی واقفیت رکھتے تھے۔ لوگ اسے ہزاروں وکیلوں کی طرح ایک عام وکیل سمجھتے تھے۔ لیکن جو اس کے قریب تھے یا جن سے اس کا واسطہ پڑتا تھا وہ اس کی بامقصد زندگی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ملت کے لئے کام کرنے کے اس کے جذبہ اور اس کے مشن اور وژن کو سمجھنے کے لئے یہ مثال ہی کافی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو جو ایک عام گریجویٹ تھیں، شادی کے بعد اسے لاکالج میں داخل کروایا اور اسے بھی قانون کی تعلیم دلوا کر وکالت کے پیشہ سے وابستہ کردیا۔ اس نے اپنی بیوی کو بحیثیت وکیل اپنے ساتھ کورٹ لے جانے اور تربیت دینے کا آغاز کردیا تھا۔ وہ اس بات کے لئے بھی سرگرداں تھا کہ مسلم نوجوان وکلاء کی ایک ٹیم تیار کریں اور نئے وکلاء کی پیشہ وارانہ تربیت کر کے انہیں قوم وملت کی خدمت کی راہ پر لگائیں اور اس کام کا وہ آغاز کرچکا تھا۔ اس کی یہ کوششیں ثابت کرتی ہیں کہ وہ کس دور اندیشی سے کام کررہا تھا اور عملی طور پر وہ کس قدر مخلص، متحرک اور مثالی نوجوان تھا۔

نوشاد کے قتل پر جہاں ہر طرف سے مذمت ہورہی ہے وہیں پرنٹ میڈیا کے بعض حلقوں میں اور انٹرنیٹ کے بعض ویب سائٹس پر اس کے کردار کو مسخ کرنے کی بھی پوری کوشش کی جارہی ہے۔ انڈر ورلڈ مافیا سے اس کی روابط کی من گھڑت کہانیاں پیش کی جارہی ہیں اور اس کے قتل کو جائز ٹھہرانے کی بھی مذموم حرکت کی جارہی ہے۔ مگر خوشی اس بات کی ہے کہ ایسے الزامات کا منہ توڑ جواب مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں کی طرف سے دیا جارہا ہے۔ نوشاد کے قتل کے خلاف جنوبی کینرا بار ایسوسی ایشن نے جو زبردست احتجاجی مظاہرہ کرتے ہوئے اس قتل کی سی بی آئی کے ذریعہ تحقیقات کا مطالبہ کیا، اس کے بعد ریاست کے دوسرے مقامات کے علاوہ کیرالہ میں وکلاء برادری نے احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا اور اب ریاستی بار کاونسل نے سی بی آئی تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے پرزور احتجاج کا جو منصوبہ بنایا ہے وہ قانون اور عدل وانصاف کے میدان میں نوشاد کے مقام ومرتبہ کا تعین کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب کہ مختلف ملی اور سماجی تنظیموں کی طرف سے منگلور میں منعقدہ احتجاجی مظاہرے میں دس ہزار سے زیادہ لوگوں کی شرکت اور اس میں مسلم وغیر مسلم مقررین کی جانب سے شہید نوشاد کو اس کی خدمات کے لئے پیش کیا گیا خراج عقیدت اس کی بے پناہ مقبولیت اور عوامی قدر ومنزلت کا بہترین مظہر ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ وکلاء اور عوام کے ہر مظاہرے کے دوران ایک نعرہ بہت ہی زیادہ گونجتا رہا کہ ''شہید نوشاد امر رہے۔'' اب سوال یہ ہے کہ کیا صرف نعرے لگانے سے نوشاد امر رہے گا؟ نہیں! بلکہ پاپولر فرنٹ آف انڈیا کے ایک ذمہ دار نے جس طرح نوشاد کے تعزیتی اجلاس میں تجویز رکھی کہ وکالت میں گریجویشن کرنے والے Promising نوجوانوں کے لئے نوشاد کے نام پر اسکالرشپ کا آغاز کیا جائے اور نوشاد کے نام پر ایک Law کالج قائم کیا جائے جہاں سے ملت کے لئے شہید نوشاد جیسے مشن اور وژن (Mission & Vision) والے وکلاء اور قانونی ماہرین کی ضرورت آنے والے دنوں میں پوری ہوسکے۔ اگر ان تجاویز پر سنجیدگی سے عمل کیا گیا تو کہا جاسکتا ہے کہ نہ صرف ملت کی ایک دیرینہ ضرورت پوری ہوجائے گی بلکہ ایک اہم مورچہ مضبوط ہوجائے گا۔ اس طرح کسی باہری دباؤ یا دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ اپنے ضمیر کی آواز پر ذہن ودل کی یکسوئی کے ساتھ ملت کی خدمت کے جس مشن کو جواں مرگ نوشاد نے اپنایا تھا اسے آگے بڑھانا ممکن ہوسکے گا اور یہی ملت کے اس شہید کے لئے سب سے بڑا خراج عقیدت ہوگا کیونکہ نوشاد نے روشن سورج کی طرح مختصر مگر بامعنی اور تابناک زندگی گزاری اور وہ ڈوبتے ڈوبتے بھی اپنے پیچھے عزم وحوصلہ کے اُفق پر ایک ایسی شفق چھوڑ گیا ہے، جو اسے زندہ دل نوجوانوں کے ذہن سے کبھی اوجھل ہونے نہیں دے گی۔ انشاءاللہ۔

●●

نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا

محمد سیف اللہ، کوٹہ (راجستھان)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''تم دنیا میں بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (سورۃ آل عمران: ۱۱۰)

سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں فرمایا گیا: ''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔''

ارشاد باری ہے:

''تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے، تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور معذرت پیش کرنے کے لئے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں۔''

(سورۃ الاعراف: ۱۶۴)

سورۃ التوبہ کی آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔''

سورۃ المائدہ کی آیت ۲ میں ارشاد فرمایا گیا: ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں نہ کرو۔''

رسول اللہ کا ارشاد ہے:

''تم میں سے جو آدمی کسی برائی کو دیکھے اُسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے مٹانے کی کوشش کرے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔'' (مسلم) آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اُسے مٹانے کی کوشش نہ کریں تو وہ دن قریب ہے کہ ان سب کو اللہ کا عذاب گھیر لے۔''

(ترمذی، ابن ماجہ)

ارشاد گرامی ہے: ''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم نیکی کا ضرور حکم کروگے اور برائی سے ضرور روکوگے ورنہ وہ دن قریب ہے جب اللہ تم پر عذاب بھیجے پھر تم اس سے دُعائیں کروگے اور تمہاری دُعائیں قبول نہ ہوں گی۔'' (ترمذی)

مسند احمد میں حضرت عدی بن عمیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو چند خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عذاب میں جتلا نہیں کرتا۔ سوائے اس کہ کہ وہ اپنے سامنے برائی ہوتے ہوئے دیکھیں اور اس کی روک تھام کرسکتے ہوں پھر بھی ایسا نہ کریں۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ عام وخاص سب کو سزا دیتا ہے۔''

قرآن وحدیث کے ان ارشادات کی روشنی کہ ہمیں اس کام کو اپنی زندگی کے آخری سانس تک کرتے رہنے کا عہد کرنا چاہئے۔

نبیؐ کے بھیجے جانے کا مقصد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔'' (سورۃ الحدید: ۲۵) دنیا میں بڑی تعداد میں مصلح پیدا ہوئے۔ بہت سی اصلاحی اور انقلابی تحریکیں وجود میں آئیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک تحریک نے انسان کے باہر کی زندگی کو بدلنے کی کوشش کی جب کہ اس کے اندرون کو چھوڑ دیا۔ لیکن نبیؐ کی تحریک نے انسان کے باہر کے ساتھ اس کے اندر کو بھی بدل دیا اور پوری طرح بدل دیا۔ اسلام کے سایۂ رحمت میں آنے والے ہر شخص کے اندر آپؐ نے ایسا کردار پیدا کردیا جس کی مثال رہتی دنیا تک نہیں مل سکتی۔ آپ نے انسانوں کے دلوں سے دنیا کی محبت کو کم کیا اور آخرت کا شوق اور اس کی طلب پیدا کی۔ دوزخ سے بچنے اور جنت کو حاصل کرنے کی تڑپ اور لگن پیدا کردی ہے۔ آپ کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ جہالت اور پستی سے نکل آنے والے افراد نے عظیم الشان کردار اور عمل پیش کیا۔ انہوں نے اللہ کی خوشنودی اور اُس کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور آخرت کی طلب اور اللہ کی رضا کی خاطر اپنی پیاری سے پیاری چیز کو قربان کردیا۔ اس کردار کے لوگوں نے کفار کے نرغے میں بھی کلمۂ حق بلند کیا۔ اس کردار نے مکہ کی وادیوں میں تپتی ریت پر اپنے جسموں کی چربی پگھلائے جانے کے باوجود اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، کی آواز کو دبنے نہیں دیا بلکہ اس کو بلند کرتے رہے۔ آپ پر ایمان لانے والوں نے دولت اور عیش وآرام کو لات مار کر فقر وقناعت کی زندگی کو پسند کیا۔ اس کردار نے اگر ایک طرف گھر کا تمام اثاثہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کردیا تو دوسری طرف غریبی کی حالت میں دن بھر کی مزدوری میں حاصل ہونے والی کھجوریں اللہ کی راہ میں دے کر خوشی ومسرت کا سانس لیا۔ آپ کی تحریک کے ایک کریکٹر نے خود کو بھوکا رکھ کر تیار کھانا دوسروں کو کھلا کر شکم سیری کا لطف محسوس کیا اور اپنی بیوی سے چراغ گل کروادیا تاکہ مہمان کو میزبان کے بھوکے رہنے کا احساس بھی نہ ہونے پائے۔ اس کردار نے میدان جنگ میں پیاس کی شدت کی حالت میں اپنی جان اللہ کے حوالہ کردی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے پیاسے بھائی سے پہلے پانی کا کٹورا اپنے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے لگالے۔ راہ خدا میں جام شہادت پی کر اس کردار کی روح جھوم اٹھی اور زبان سے سرعام اعلان کیا رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔

تاریخ میں یہ واقعہ بھی سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا ہے کہ رات کی تاریکی میں ایک ماں اپنی لڑکی کو دودھ میں پانی ملانے کا حکم دیتی ہے لیکن وہ ماں کے حکم کو ٹھکرا دیتی ہے۔ تاریخ میں یہ بھی موجود ہے کہ ایک خاتون اپنے گناہ کی سزا کے لئے دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار چکر لگاتی ہے۔ یہ کردار بھی موجود ہے کہ وقت کا خلیفہ رعایا کی ضرورت کی تکمیل کے لئے نیند قربان کر کے اور بوجھ اُٹھا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔

یہ سب کردار تاریخ کا حصہ ہیں۔ کتابوں میں محفوظ ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان کرداروں، نمونوں کو اپنی زندگیوں میں ڈھالیں۔ ان کا عملی نمونہ پیش کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگیوں میں اُتارلیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنے قول وعمل سے انسانوں کے سامنے پیش کریں تاکہ دنیا کے انسان ان تعلیمات سے فیضیاب ہوسکیں اور اسلام کے سایہ رحمت میں فوج درفوج آ کر اپنے آپ کو جنت کا حقدار بناسکیں۔

●●

اسلام اور ھم

محمد احسان عالم، لکچرار، شعبۂ اُردو، الشمس ملیہ کالج، اررریا

ایک سوال اکثر ذہن میں اُٹھتا ہے ''اسلام کیا ہے؟ اور ہم کہاں ہیں، اسلام ہم سے چاہتا کیا ہے اور ہم کر کیا رہے ہیں، اسلام حکم کیا دیتا ہے اور ہم جا کہاں رہے ہیں؟ یعنی ''اسلام اور ہم''۔

دراصل اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت وتعلیم تمام پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی مکمل ترین شکل وہ ہے جسے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں توحید ورسالت اور آخرت پر اس طرح یقین وایمان رکھنا ہے جس طرح نبی کریمؐ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے یا کچھ اچھے عمل کرلینا، اسلام نہیں۔ اسلام تو مکمل نظام حیات ہے۔ اسلام کے لفظی معنی مان لینا، قبول کرلینا، اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردینا، اس کی اطاعت کے لئے اپنے آپ کو جھکا دینا، اور شرک وکفر سے اپنے آپ کو بری کردینا ہے، یہ رحمت وشفقت کا مذہب ہے۔ تمام انسانوں کے درمیان اخوت ومساوات کا داعی ہے۔ اس میں اونچ نیچ نہیں۔ سب برابر ہیں۔ صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنیاد پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہ آزادیٔ رائے اور عدل وانصاف کا مذہب ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کی شریعتیں مختلف تھیں اور مخصوص زمانے کے لئے تھیں، جب کہ آپ کا پیغام ساری دنیا کے لئے اور جن وانسان دونوں کے لئے ہے یہ قیامت تک آنے والے تمام زمان ومکان کے لئے ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے، جو دین اسلام کا ماخذ اور مصدر ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، معاملات، احکام، قصص، حکمت ودانائی اور وہ تمام امور شامل ہیں جن کی انسانی زندگی کی مثبت تعمیر میں ضرورت پڑتی ہے۔ اسلام کے ماننے والے کو مسلمان کہتے ہیں۔ اسی اسلامی شریعت کو لے کر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنایا۔ جس شریعت کے بارے میں خود پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری شریعت کی اتباع کرتے۔''

اللہ کا فرمان ہے ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب دین اسلام ہی ہے۔'' (آل عمران: ۱۹) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ''آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کردی اور اسلام تمہارے لئے از روئے دین پسند کرلیا'' (المائدہ: ۳) اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ اب دنیا میں صرف اسلام ہی قابل قبول دین ہے۔ اس کے علاوہ تمام ادیان منسوخ اور غیر مقبول ہیں۔ (آل عمران: ۸۵)

اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا ہے ''تم بہترین امت ہو، لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

ہمیں چاہئے کہ آیئے دیکھیں غور کریں، اپنے دلوں کو ٹٹولیں کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لینے کے بعد ہم نے کونسا کارنامہ انجام دیا؟ ہمارے اندر ایمان کی طاقت وقوت نے کہاں تک موجیں ماریں، اور کہاں تک ہم ایمان پر ثابت قدم رہے۔ ہم نے کہاں تک ان احکام کو انجام دیا اور پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تابعداری کہاں تک کی۔ اس نبیؐ کے کلمہ کو پڑھ کر کہاں تک عمل کیا؟ اور کن کن لوگوں تک پہنچایا؟

ذرا سنجیدگی سے غور کریں۔ قیامت کا دن ہوگا رب العالمین، خالق کائنات پروردگار عالم اپنے بندوں کا حساب لے رہا ہوگا۔ ایک سوال کرے گا ''بندے تو نے میرے نبی کی بات سیکھی تھی، سنی تھی، علم حاصل کیا تھا'' اس پر کہاں تک عمل کیا؟ کہاں کہاں تک پہنچایا ہمارا جواب کیا ہوگا؟ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔

اگر ہمارا اٹھنا بیٹھنا ہنسنا، رونا، سونا جاگنا، غرض کہ سارے معاملات حضرت محمدؐ کی شریعت کے مطابق ہیں تو ہم حقیقت میں مسلمان ہیں۔ اگر اپنی مرضی کے مطابق ہیں تو

باقی صفحہ ۷ پر

دعوت

یکم مئی ۲۰۰۹ء

اقتدار کے سو دن

امریکی صدر باراک حسین اوبامہ نے گزشتہ ۲۰ رجنوری کو عہدہ سنبھالا تھا اور اپنی ابتدائی تقریر میں ہی یہ اعلان بھی کیا تھا کہ عہدہ صدارت کے ابتدائی سو دنوں کے اندر وہ اپنی حکومت کے خط وخال کو واضح کردیں گے۔ صدر اوبامہ کی صدارت کے سو دن گزشتہ ۲۹ راپریل کو پورے ہوگئے۔ ان سو دنوں میں دُنیا پر یہ بات تقریباً واضح ہوچکی ہے کہ وہ کیا منصوبہ رکھتے ہیں۔ ان کا وژن کیا ہے، وہ امریکہ کی کیسی تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، اس کی ابتدا حلف برداری کی تقریب سے ہی ہوچکی تھی۔ جس میں انہوں نے اجمال میں اپنی پالیسی کا ایک خاکہ پیش کردیا تھا۔ صدر اوبامہ نے جن حالات میں امریکی صدارت کا عہدہ سنبھالا تھا وہ ان کے لئے بھی انتہائی پریشان کن تھے، امریکی باشندوں کے لئے بھی سخت اذیت ناک تھے اور پوری دنیا کے لئے تشویش کا باعث تھے۔ امریکہ انتہائی سخت حالات سے گزر رہا تھا، مالیاتی بحران میں وہ بری طرح جکڑ چکا تھا، جس کا اثر امریکہ پر جو پڑ رہا تھا وہ تو اپنی جگہ تھا پوری دنیا اس سے متاثر ہورہی تھی۔ حالانکہ اس مالیاتی بحران کی جڑ امریکہ میں موجود تھی اور اس کا آغاز وہیں سے ہوا تھا لیکن جلد ہی اس نے یورپ اور دوسرے براعظموں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، ان کے پیش رو کے آٹھ سالہ دور حکومت نے امریکہ کی جو تصویر دنیا کے سامنے پیش کی تھی وہ ایک خونخوار بھیڑیئے کی تھی جو سنتا کسی کی نہیں ہے بلکہ ہر کسی کو نوچ کھانے کے لئے دوڑتا ہے۔ کہنے کو تو امریکہ جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار تھا مگر اس نے سب سے زیادہ جمہوریت کا گلا گھونٹا تھا، جیسے جیسے صدر بش کا دور آگے بڑھتا گیا، امریکہ کی یہ شناخت بنتی چلی گئی۔ اس کے بارے میں یہ تصور قائم ہوگیا کہ رواداری، تحمل اور برداشت کے لئے امریکہ کے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ صدر بش کی پالیسیوں نے یہ تاثر قائم کیا تھا کہ امریکہ کو صرف امریکیوں کے مفادات عزیز ہیں۔ اس کو دیگر اقوام عالم سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ جارحانہ انداز اس کی خارجہ پالیسی کی پہچان بن گیا تھا، اس کے بارے میں یہ رائے بن گئی تھی کہ امریکہ اور انصاف کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔

صدر اوبامہ نے جب عہدہ سنبھالا تو ان کے سامنے مسائل کا ایک انبار تھا، انہیں یہ طے کرنا تھا کہ وہ مالیاتی بحران پر قابو پانے کے لئے کیا کریں گے؟ کون سے قدم اٹھائیں گے، امریکہ کی تیزی سے گرتی ہوئی ساکھ کو کس طرح سنبھالا دیں گے۔ مشرق وسطیٰ کا مسئلہ کس طرح حل کریں گے آیا سابقہ پالیسی کو جاری رکھیں گے یا اس تعطل کو دور کریں گے جو پچھلے ساٹھ برس سے چلا آرہا تھا، عراق کے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے۔ افغانستان کے سلسلہ میں کون سی پالیسی بنائیں گے مسلم دنیا کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی۔ روس- چین اور دوسری اُبھرتی ہوئی معیشتوں کے ساتھ امریکہ کے رشتہ کی نوعیت کیا ہوگی۔ شمالی کوریا کے مسئلہ کو کس طرح کریں گے۔ تخفیف اسلحہ کے پروگرام کو کس طرح آگے بڑھائیں گے اور نتیجہ خیز بنائیں گے، ایران کے ساتھ جو کشمکش برسوں سے جاری ہے اس کے بارے میں کیا قدم اٹھائیں گے۔ عالمی تنازعات میں امریکہ کا کردار کیا ہوگا۔ اس کی حیثیت کیا ہونی چاہئے۔ کیوبا کے ساتھ کس طرح کا رشتہ رکھیں گے، لاطینی امریکہ کو کیا حیثیت اور مقام دیں گے، ان سو دنوں میں انہوں نے اپنا نقطۂ نظر مذکورہ تمام امور کے سلسلہ میں واضح کردیا ہے۔ انہوں نے آتے ہی مشرق وسطیٰ اور افغان و پاکستان کے لئے الگ الگ ایلچی مقرر کئے۔ ایران کے ساتھ گفتگو کا عندیہ ظاہر کیا۔ مالیاتی بحران پر قابو پانے کے لئے بھی مختلف پیکجوں کا اعلان کیا۔ جی-۲۰ کے سربراہ اجلاس میں شرکت کی اس کے بعد ناٹو کے سربراہ اجلاس میں شریک ہوئے وہاں سے ترکی کے دورے پر گئے اور مسلم دنیا کو مخاطب کیا، افغان- پاک پالیسی کا اعلان کیا۔ میکسیکو کا دورہ کیا جہاں انہوں نے کیوبا کے لئے کچھ مراعات کا اعلان کیا۔ ٹری ڈاڈ میں امریکی ملکوں کے سربراہ اجلاس میں شرکت، یوں ان سو دنوں میں انہوں نے اپنی پالیسی کے رہنما خطوط نمایاں کردیئے ہیں۔ ظاہر ہے کسی حکومت کی کامیابی وناکامی کا فیصلہ ان سو دنوں کی کارکردگی کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا البتہ اس کا اندازہ تو ضرور کیا جاسکتا ہے کہ وہ حکومت آئندہ کس ڈگر پر آگے بڑھے گی۔

مسلمانوں کو مشنری جذبہ رکھنے والوں کی ضرورت ہے

ان پڑھ ماں باپ کے یہاں پیدا ہونے والے ڈاکٹر نذرالاسلام، نہ صرف خود ۱۹۸۱ء میں آئی پی ایس افسر بن کر آج ڈائریکٹر جنرل آف پولیس کے منصب پر فائز ہیں۔ اور مغربی بنگال کی پولیس میں ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل آف پروسیکیوشن کے عہدہ پر کام کررہے ہیں وہ دور دراز کے غربت وافلاس زدہ اور تعلیمی، اقتصادی سماجی وسیاسی طور پر پسماندہ مسلم اکثریتی گاؤں دم کل ضلع مرشد آباد میں ایک پرائمری اسکول، ایک ہائی اینڈ سینئر سیکنڈری اسکول، ایک ڈگری کالج ایک ٹیچرس ٹریننگ کالج ایک پولٹکنک، ایک ووکیشنل ٹریننگ کالج اور ایک انجینئرنگ کالج قائم کرچکے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پولیس افسر کی مصروف ترین اور عدیم الفرصت ڈیوٹی انجام دینے اور علاقہ کے ننھے منے بچوں کو اسکولوں میں لانے اور گلی چوں سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر فاقہ مستی کی زندگی گزارنے والوں کی طفل مکتب بنا کر روشن مستقبل کا راستہ دکھانے کے ساتھ ساتھ خود بھی ڈگری پر ڈگری حاصل کرتے رہنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں آئی پی ایس کے لئے انتخاب کے بعد انہوں نے ایم بی اے کیا اور کلکتہ یونیورسٹی سے لٹریچر میں پی ایچ ڈی کیا۔ اتنا ہی نہیں وہ اب تک ۵۷ کتابیں تصنیف وتالیف کرچکے ہیں اور بنگالی لٹریچر کے ایک بلند پایہ قلم کار تسلیم کئے جاچکے ہیں ادبی حلقوں میں ان کے ناول اور افسانے زبردست مقبولیت حاصل کررہے ہیں۔ انہیں ۱۹۹۵ء میں آنند پرسکار ۱۹۹۹ء میں شرت چندر پرسکار اور ۲۰۰۰ء میں نکھل پرسکار سے سرفراز کیا جاچکا ہے۔

سرسید احمد خاں کی طرح حکومت وقت کے ایک ذمہ دار افسر کی کرسی پر رہتے ہوئے ڈاکٹر نذرالاسلام اپنے عافیت کدہ میں بیٹھ کر دوسروں کو بن مانگے مشورے دینے، تجاویز پیش کرنے، تنقید کرنے اور لعن طعن کرنے کی بجائے خود اپنی قوت بازو سے کرکے دکھانے کے قائل ہیں۔ اور بات صرف قول وقائل محدود تک نہیں اپنے عمل سے شاندار مظاہرہ کررہے ہیں اپنی عملی زندگی دنیا خاص طور سے مسلم دانشوروں، مفکروں بچوں، نوجوانوں اور بزرگوں وبوڑھوں کے سامنے ایک شاہکار نمونے کے طور پر پیش کررہے ہیں۔ وہ کسی کا بت یا مزار بنا کر اس کی پوجا کرنے اور ڈے منانے کو خراج عقیدت تصور نہیں کرتے بلکہ اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے مشن کو آگے بڑھانے بلکہ اپنے عمل سے نئے نئے سنگ میل قائم کرتے ہوئے دوسروں کو ترقی کی شاہراہ تیار کرنے اس کی طرف رہنمائی کرنے اس پر چلانے اور ایسی ہی نئی نئی شاہراہیں تیار کرنے کے لئے مہمیز وترغیب کا کام کرتے ہیں اتنا ہی نہیں مخلوقات خداوندی میں کسی ادنی، ارذل یا اشرف تک کے سامنے جھکنے تملق وچاپلوسی اور خوشامد کرنے کی بجائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے اور ضرورت پڑنے پر پنجۂ استبداد کو مروڑ دینے اور توڑ دینے کا عزم وحوصلہ رکھتے ہیں۔ قوت وہ توانائی اور حرکت وعمل، جوش وہوش کا ایک زندہ شاہکار ہیں۔ سرخ بتی والی کار میں بیٹھ کر بھی وہ اپنی سادہ مزاجی اور سادگی کی روایت سے سرمو انحراف نہیں کرتے کہ عام آدمی ان کی عظمت کا تصور بھی نہیں کرپاتا۔ نیک طبع، پرکشش اور انتہائی ملنسار بنگالی لب ولہجہ میں انگلش بولنے والے ڈاکٹر نذرالاسلام نے تعلیم کے میدان میں انقلاب برپا کرنے کا کام خود اپنی کتابوں کی رائلٹی اور ایوارڈ کی رقم سے شروع کیا اور مذکورہ بالا تمام ادارے محض پانچ سال کے اندر عالم وجود میں آگئے۔ انہوں نے ۱۹۹۶ء میں تعلیمی اداروں کے قیام کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

یہ سب کچھ کرتے ہوئے اور پولیس کی ملازمت کرتے ہوئے وہ بے داغ زندگی اور صاف شفاف کیریئر کے حامل ہیں کچھ بدخواہوں نے ان کے اوپر کرپشن کے الزامات لگائے تو انہیں کورٹ آف لاء میں ذلت وخواری اور سماج میں رسوائی وبدنامی کا سامنا کرنا پڑا۔ نذرالاسلام وہ نیک نامی وسربلندی کے ساتھ رفعت کی منزلوں پر گامزن رہے۔ آج اخبارات تک ان کے خلاف کوئی غیر مصدقہ لفظ استعمال کرتے ہوئے لرزہ براندام ہوجاتے ہیں خواہ وہ اقتدار اور سرکار کے گلیاروں سے حاصل ہونے والی رپورٹوں پر ہی جتی کیوں نہ ہو۔ ایک بار فسطائی ذہنیت کے حامل کچھ وزیروں نے اپنی عادت و روایت کے مطابق کمزور اقلیتی طبقہ کا فرد تصور کرتے ہوئے ان کے اوپر بے بنیاد الزامات لگائے تو ڈاکٹر نذرالاسلام نے ان کو کورٹ آف لا میں گھسیٹنے میں کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا۔

مسلم اکثریتی مرشد آباد کے بسنت پور گاؤں میں پیدا ہونے والے نذرالاسلام کے دل میں ایک مدت سے غربت زدہ اور محنت کش عوام کی فلاح وبہبود اور انہیں ترقی وعروج سے ہمکنار کرنے کی خواہش انگڑائیاں لیتی تھیں باوجودیکہ سرکاری حلقوں میں وہ بلند پایہ مقام اور عزت واحترام حاصل کرچکے تھے لیکن ان کے شاندار بنگالی لٹریچر کو بھی ایک مدت تک نظر انداز کیا جاتا رہا۔ ان کی پہلی کتاب منگل پتھ (راہ فلاح بہبود یا شاہراہ ترقی) ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی جس میں کئی وزیروں کو ان کے کرپشن کی بنیاد پر ہدف بنایا گیا تھا اس نے اقتدار کے گلیاروں میں ایک بھونچال برپا کردیا کیونکہ انہوں نے باقاعدہ کئی وزیروں کو نامزد کردیا تھا۔ حکومت نے انہیں کارروائی کی دھمکیاں تک دے ڈالیں۔ لیکن کوئی عملاً کچھ نہ کرسکی کیونکہ جو کچھ لکھا گیا تھا دستاویزی ثبوتوں سے درج کیا گیا تھا۔ ایک اور کیس میں انہوں نے مشہور بنگالی روزنامہ پرتی دن کو ایک وزیر کی طرف سے لگائے بے بنیاد الزامات شائع کرنے کی وجہ سے کورٹ میں گھسیٹ لیا۔ وزیر نے ان پر ہفتہ کی چھٹیوں میں مرشد آباد میں واقع اپنے گاؤں جانے کے لئے سرکاری ذرائع استعمال کرنے کا الزام لگایا تھا۔ ڈاکٹر نذرالاسلام نے ڈرائیور اور پٹرول وغیرہ کے لئے رقم کی اپنی جیب سے ادائیگی کا بہت احتیاط کے ساتھ ریکارڈ رکھتے ہوئے کورٹ میں ثابت کردیا کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے کیا ہے۔ تب کورٹ نے حکومت مغربی بنگال کو بے بنیاد الزامات لگانے کی وجہ سے ہرجانہ ادا کرنے اور اخبار کو معافی نامہ شائع کرنے کا حکم دیا۔ ڈاکٹر نذرالاسلام نے منگل پتھ پر ملنے والی رائلٹی کے ۱،۰۵ لاکھ روپے ضلع ہیڈ کوارٹر برہم پور سے ۵۳ کلومیٹر شمال میں واقع دم کل گاؤں میں بسنت پور ایجوکیشن سوسائٹی کے تحت ایک پرائمری اسکول قائم کیا۔ اس کے بعد کئی انسانیت نواز شخصیتیں سامنے آئیں اور زمین ورقم کی شکل میں ان کے ساتھ تعاون کیا جس سے دیگر ادارے قائم ہوئے۔

جہاں ڈاکٹر نذرالاسلام کو ان کی شاندار خدمات کی وجہ سے ان کے ضلع میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ حکومت مغربی بنگال ان کی بدخواہی پر کمربستہ رہتی ہے جو ان کے مشن کو ناکام بنانے اور ان کے گاڑی کے پہیوں کو روکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی ہے حتی کہ مضحکہ خیز قانون وضابطے بھی بنا ڈالتی ہے۔ اس نے انہیں ڈگری کالج کی مینجنگ کمیٹی تک سے نکال دیا۔ لوکل مارکسٹ پارٹی کمیٹی نے اپنے تمام ممبروں کو اس میں گھسا دیا۔ مارکسٹ مرشد آباد اور آس پاس کے اضلاع میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت علم کے فروغ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ریڈیئنس ویوز ویکلی میں شائع شدہ مقبول احمد سراج کی رپورٹ کے مطابق مغربی بنگال میں مسلمانوں اور دلتوں کے خلاف تعصب اور نفرت بی جے پی کے زیر اقتدار گجرات سے بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ گجرات میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ۹ فیصد ہے ۵ فیصد سے زیادہ مسلمان سرکاری ملازم ہیں جب کہ مغربی بنگال میں جہاں ان کی آبادی ۲۴ فیصد ہے سرکاری ملازمین میں ان کی نمائندگی محض ۱،۵ فیصد ہے۔ مرشد آباد میں ۶۴ فیصد مسلمان ہیں۔

۱۸۵۱- افراد پر ایک گورنمنٹ پرائمری اسکول کا تناسب ہے جب کہ پرولیا ضلع میں ۸۵۲ افراد پر ایک اسکول کا تناسب ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تناسب پرولیا میں پوری طرح اطمینان بخش نہیں ہے تاہم مرشد آباد ضلع میں پرولیا کے برابر تناسب سے اسکولوں کی تعداد کرنے کے لئے حکومت کو ۳۷۱۶ پرائمری اسکول مزید قائم کرنے پڑیں گے۔ مغربی بنگال میں اعلیٰ ذات والے ہندوؤں کی بالادستی پر مبنی حکومت ہے۔ جو مارکسٹ آئیڈیالوجی کے پردے میں ملک کی آبادی کو تقسیم کئے ہوئے ہے۔ ریاست میں ۴۳ رکنی وزارت میں ۱۵ برہمنی ہیں اور دیگر نو بیدیہ اور کائستھ برادریوں کے ہیں اس طرح اعلیٰ ذات والوں کی نمائندگی ۸۰،۵۵ فیصد ہوجاتی ہے جب کہ مسلمان جو ریاست کی آبادی میں چوتھائی ہیں ان کے صرف نمائندے یعنی ۱۱،۶ فیصد ہیں اس سے بھی آگے یہ کہ ان کے پاس انتہائی نچلی سطح کے ہوائی کلچر اور مویشی پالن جیسی وزارتیں ہیں۔

جہاں اونچی تنخواہ لے کر سال بھر میں مسلمان بالخصوص اُردو، عربی وفارسی اور اسلامک جیسے مسلمانوں کی دلچسپی والے مضامین پڑھانے کے لئے صرف چند پیریڈوں میں شکل دکھاتے ہیں۔ اُردو کے نام پر رکھے گئے ٹیچر اُردو کے نام سے بھاگتے ہیں دوسرے مضامین پڑھانے میں دلچسپی لیتے اور انہیں ترجیح دیتے ہیں۔ اُردو پڑھنے والے بچوں کی حوصلہ شکنی کرتے اور انہیں دوسرے مضامین لینے پر مجبور کرتے ہیں اپنی مسلم شناخت اُردو والی شناخت تک چھپاتے ہیں۔ افسروں اور اکثریتی طبقوں سے مرعوب، گھبراتے ہوئے اور خوفزدہ رہتے ہیں سرکاری ملازم رہتے ہوئے مسلمانوں کا کوئی کام کرنے کے نام پر کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں ڈاکٹر نذرالاسلام اپنے صاف شفاف ریکارڈ اور شاندار کیئر کی بنیاد پر اپنے فرائض سرکاری ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے ملی فریضہ وخدمت کے میدان میں بڑھ چڑھ کر سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں ایسے کاموں میں آگے آنے میں ہچکچاہٹ یا جھجک نہیں دکھاتے۔ انہوں نے ۱۸۳ ایکڑ رقبہ زمین پر یہ شاندار کیمپس قائم کیا ہے اور اس میں مذکورہ بالا ادارے چلا رہے ہیں جن میں اس وقت چار ہزار سے زیادہ بچے اور نوجوان زیر تعلیم ہیں۔

مدارس، مولویوں اور مسلمانوں کو اپنے عافیت کدوں میں بیٹھ کر بن مانگے مفت کے مشورے دینے بغیر عمل کی تقریر وتحریر اور لیکچروں کے ذریعہ دانشوروں کا تمغہ اپنے سینوں پر سجانے، کوٹھی، فلیٹ، اور قلعوں نیز شادی کی بے مقصد فضول خرچیوں نیز پولیس کو رشوت دینے میں دولت بہانے والوں کو ڈاکٹر نذرالاسلام سے درس لینے کے بارے میں سوچنا چاہئے۔

●●

پولیس اور مسلمانوں کے مابین راست مذاکرہ ملک کی ضرورت

انجینئر محمد سلیم

کسی بھی معاشرتی اکائی میں خواہ وہ خاندان ہو، معاشرہ ہو یا ملک، اس کی مضبوطی اور ترقی کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کے مختلف حصوں کے مابین، اعتماد اور توازن ہو، ہر حصہ دوسرے حصہ کی تکمیل کرنے والا، معاون اور خیر خواہ ہو، اپنے حقوق سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کے لئے فکرمند ہو اور دوسروں کے حقوق کے بارے میں حساس ہو۔ پولیس بھی ہمارے ملک اور سماج کا ایک اہم حصہ ہے۔ پولیس اور سماج کے مابین، مندرجہ بالا سبھی ضرورتوں کا پورا ہونا ملک کی مضبوطی، ترقی اور امن وامان کے لئے ناگزیر ہے۔ پولیس اور سماج کو اپنی حدود میں رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سماج اور پولیس میں راست مذاکرہ ملک کی ضرورت ہے۔ یہ ایک اچھی علامت ہے کہ ہماری حکومت اور پولیس نے بھی اس کی ضرورت محسوس کی ہے اور کچھ نئے نئے تجربات کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جن میں سی ایل جی (کمیونٹی لائزننگ گروپ) کے اچھے نتائج بھی حوصلہ افزا ہیں۔

اُمت مسلمہ، جو بھارتی سماج کا ایک بڑا اور اہم جز ہے، اس کا مضبوط ہونا، اس میں خود اعتمادی کا پیدا ہونا، بھارتی سماج کے دیگر اجزاء اور انتظامیہ کے دیگر حصوں کے بارے میں اعتماد کا ہونا ملک کی مضبوطی کے لئے ضروری ہے۔ یہ احساس اب اور زیادہ گہرا ہوتا جارہا ہے کہ مسلمانوں اور انتظامیہ کے اہم جز پولیس کے درمیان بہت دوریاں اور غلط فہمیاں ہیں اور ایک دوسرے پر بے اعتمادی بہت بڑھ گئی ہے۔ یوں تو یہ بات پولیس اور عام ہندوستانی سماج کے لئے بھی صحیح ہے لیکن مسلمانوں میں پولیس کے بارے میں اور پولیس میں مسلمانوں کے بارے میں یہ احساس کافی بڑھا ہوا ہے جو کہ ہمارے ملک اور سماج کے لئے خطرے کی علامت ہے۔

گزشتہ دنوں مجھے پولیس محکمے کی جانب سے منعقدہ ایک تربیتی سیمینار میں پولیس افسروں کے درمیان رہ کر، مسلمانوں، ان کے عقائد، نیز تعلیمی ومعاشرتی اداروں کے بارے میں ان کی باتیں سننے اور ان کے جذبات اور مسائل کو جاننے اور اسلام اور ہندوستانی مسلم سماج کے بارے میں کچھ باتیں ان تک پہنچانے کا موقع ملا۔ اس تین گھنٹے کی باہمی گفت وشنید کے پروگرام سے مجھے بہت حوصلہ ملا، امید بھی جاگی اور بعض باتوں کے بارے میں میری رائے میں کچھ تبدیلی بھی آئی۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کا احساس بھی ہوا کہ اس عدم مذاکرات کے کتنے خطرناک نتائج ہوسکتے ہیں۔ میرے حوصلے اور امید کے بڑھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے پولیس محکمے میں ایسے بہت سے بڑے پولیس افسر موجود ہیں جو بہت ایمانداری سے اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسے افسروں کو سماج کا پورا تعاون بھی ملنا چاہئے اور انہیں اس نظام کی اصلاح کے بارے میں مایوس ہونے سے بھی بچایا جانا چاہئے۔ یہ ملک اور سماج کے حق میں بہت ضروری ہے۔

مندرجہ بالا کچھ مسائل کا تعلق ووجہ تو ہمارے پولیس سسٹم میں آزادی کے بعد بنیادی تبدیلیوں کا نہ ہونا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ غلام بھارت میں پولیس کا ضابطہ انگریزی حکومت کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے بنایا گیا تھا۔ انگریزی حکومت کے خلاف غصہ اور بغاوت کو دبانے کے لئے پولیس کو بہت زیادہ اختیارات دیئے گئے تھے۔ پولیس کے معمولات اور طریق کار اور شفافیت پر سوال اٹھانے کی آزادی نہیں کے برابر تھی۔ آج بھی حالات بہت زیادہ نہیں بدلے ہیں اور اب دہشت گردی سے لڑائی کے نام پر پولیس کو اور زیادہ اختیارات دینے کی کوشش میرے خیال سے مسئلہ کو اور زیادہ پیچیدہ بنادے گی۔ نیز عوام اور پولیس کے درمیان اعتماد میں اور کمی واقع ہوگی۔

دہشت گردی پوری دنیا، خصوصاً ہمارے ملک کے لئے بہت بڑا مسئلہ بن چکی ہے۔ اس کا ایمانداری، غیر جانب داری اور مضبوط ارادے کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کا حل ہم ہندوستانیوں کو خود ہی نکالنا چاہئے اور یہ مسلمانوں کو اعتماد میں لئے بغیر ممکن نہیں۔ امریکہ اپنی سلطنت کو بڑھانے اور پوری دنیا کے وسائل پر قابض ہونے کی نیت سے، دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر، جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی تصویر کو مسخ کرنے کی جو کوشش کررہا ہے، اس میں بھارت کا شامل ہونا بہت خطرناک ہوگا۔

دہشت گردی سے لڑنے کے نام پر امریکہ اور اسرائیل سے ہماری بڑھتی ہوئی نزدیکیاں، داخلی سیکورٹی کے معاملات میں ان کی خفیہ ایجنسیوں کی شمولیت اور ہماری پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کا ان کی ایجنسیوں سے تربیت حاصل کرنا، عدم اعتماد کے مہلک مرض کا اعلان کرنے کے بجائے اس میں اضافہ ہی کررہا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دہشت گردی کے ہر واقعہ کو اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے اور انہی کے خلاف محض شک کی بنیاد پر کارروائی کی جاتی ہے۔ اس سے امریکہ اور اسرائیل کے منصوبے تو پورے ہوں گے لیکن ہمارا ملک اس سے کھوکھلا ہوجائے گا۔

مسلمانوں کے درمیان بھی اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہورہی ناانصافی اور تعصب کے احساس کو حقیقت کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دیں اور اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھیں کہ کچھ خامیاں تو اس نظم کی کمزوری ہی کی وجہ سے ہیں جس سے ناانصافی صرف ان ہی کے ساتھ نہیں بلکہ ہر کمزور طبقہ کے ساتھ ہوتی آئی ہے۔ مسلمانوں کی نوجوان نسل میں جائز حق اور انصاف نہ ملنے کے درد سے پیدا ہوئے غصے کو صحیح سمت دے کر اسے قانون اور دستور کے دائرے میں، ہر محروم طبقے کے حق کے لئے پرامن طریقے سے، سب کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ امت مسلمہ کو اس مایوس کن فکر سے باہر آنے کی ضرورت ہے کہ سب کچھ ان کے خلاف ہے اور اب کچھ اچھا ہونے کی امید باقی نہیں رہ گئی ہے۔ یہ طرز فکر خود اپنے لئے بھی اور ملک کے لئے بھی مفید نہیں ہے۔ آج بھی ملک میں انصاف

باقی صفحہ ۶ پر

سوائن فلو کی ہلاکت خیزی میں اضافہ

میکسیکو سٹی—میکسیکو میں پھوٹ پڑنے والا وبائی مرض سوائن فلو بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ میکسیکو میں اس مرض میں مبتلا ہوکر مرنے والوں کی تعداد بڑھ کر ڈیڑھ سو تک پہنچ چکی ہے، دوسری طرف امریکہ میں ایسے ۴۵ افراد کی تصدیق ہوچکی ہے جن کو یہ مرض لاحق ہوچکا ہے، ان میں ۲۰ نیویارک میں ہیں۔ کناڈا، برطانیہ، اسپین اور نیوزی لینڈ میں بھی یہ مرض پہنچ چکا ہے، دوسری طرف عالمی ادارہ صحت نے خبردار کیا ہے کہ یہ وائرس وباء کی شکل اختیار کرسکتا ہے، دریں اثنا عالمی ادارہ صحت نے اس صورت حال کو لیول تھری سے بڑھا کر لیول فور یعنی چوتھے درجے کا خطرہ قرار دے دیا جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب یہ مرض ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچ سکتا ہے؟

اس نے پوری دنیا میں تشویش کی لہر دوڑا دی ہے، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے کئی ملکوں نے اپنے ہوائی اڈوں پر ملک میں آنے والے مسافروں کا طبی معائنہ شروع کردیا ہے۔ میکسیکو کا دورہ کرنے میں محتاط رہنے کا اعلان کردیا گیا ہے۔ وہاں سے آنے والے مسافروں کی جانچ پڑتال ہورہی ہے، ایشیائی ملکوں خاص طور پر چین، سنگاپور، ہانگ کانگ وغیرہ نے امریکہ اور لاطینی امریکی ممالک سے گوشت کی درآمد کو فی الحال روک دیا ہے۔ ادھر طبی ماہرین اس سے پریشان ہیں کہ اب تک اس پر قابو پانے کے لئے کوئی موثر ویکسین نہیں بنائی جاسکی ہے، اس کے باوجود مریضوں کو اینٹی وائرس دوائیاں دی جارہی ہیں۔ امریکی ماہرین نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اس فلو کی علامات اتنے زیادہ مقامات کے لوگوں میں پائی گئی ہیں کہ اس وائرس کو محدود رکھنا تقریباً ناممکن نظر آرہا ہے۔

پاکستانی سیکورٹی اداروں کیلئے امداد کا اعلان

اسلام آباد— برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن نے اسلام آباد میں یہ اعلان کیا کہ برطانیہ انسداد دہشت گردی کے لئے پاکستانی سیکورٹی اداروں کو مزید امداد دے گا۔ واضح رہے کہ برطانوی وزیر اعظم غیر اعلان شدہ مختصر دورے پر پیر کی صبح (۲۷ راپریل کو) پاکستان پہنچے تھے۔ انہوں نے اسلام آباد میں اپنے پاکستانی ہم منصب یوسف رضا گیلانی کے ساتھ بات چیت کے بعد ایک اخباری کانفرنس میں یہ بتایا کہ برطانیہ پاکستانی حکومت کو دس ملین پاؤنڈ کی امداد دے گا۔ انہوں نے یہ بات تسلیم کی کہ پاکستانی حکومت طالبان کے خلاف سخت قدم اٹھا رہی ہے، مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاک افغان سرحدی علاقوں میں القاعدہ کو پناہ گاہیں دستیاب ہیں۔

برطانوی وزیر اعظم نے کہا کہ ان کی حکومت قبائلی علاقوں میں تعلیم کے فروغ کے لئے خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم کے لئے خصوصی توجہ دے گی۔ اس سلسلے میں انہوں نے مفت کتابیں فراہم کرنے کا اعلان کیا، اخباری کانفرنس میں دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہونے کے الزام میں برطانیہ میں گرفتار کئے جانے والے گیارہ پاکستانی طلبہ کے سلسلہ میں بھی ان سے سوالات کئے گئے جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ برطانوی حکومت اس کا جائزہ لے رہی ہیں۔ دوسری طرف پاکستانی وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے کہا کہ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کی فلاح وبہبود ان کی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

فکر معاصر

طالبان اور ہمارا میڈیا

پاکستان اس وقت بے شک نازک صورتحال سے دوچار ہے اور اب اس بات میں شبہ کرنے کی بہت کم گنجائش ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر عالم اسلام کے خلاف سابق صدر امریکہ بش کی شروع کی ہوئی جنگ کا موجودہ ہدف پاکستان ہے۔ یہ بات عرصے سے کہی جاتی رہی تھی کہ افغانستان اور عراق کے بعد امریکہ کا اگلا ہدف (ٹارگیٹ) پاکستان یا ایران میں سے کوئی ایک ہوگا۔ چنانچہ فی الحال امریکی کارروائیاں پاکستان میں مختلف انداز (بشمول بغیر پائلٹ کے طیاروں ڈرون کے ذریعہ قبائلی علاقوں پر ہوائی حملے) میں جاری ہیں اور ان کا رروائیوں میں ایک کارروائی اپنے تمام ذرائع ابلاغ کو کام میں لاتے ہوئے پاکستان میں سرگرم عمل تمام اسلام پسندوں کو ''طالبان'' کہنا اور طالبان کی طاقت کو بڑھا چڑھا کر بتانا ہے طالبان کو دہشت گرد تو امریکہ اور اس کے حواری بہت پہلے سے کہتے آرہے ہیں، پاکستان کو اپنا ہدف بنانے کے لئے پاکستان کو طالبان، القاعدہ اور تمام دہشت گردوں کی پناہ گاہ قرار دیا جارہا ہے۔ تاکہ دہشت گردوں کے خلاف اقدامات کرنے کے نام پر پاکستان کے اسلام پسندوں اور مخالف امریکہ عناصر کا خاتمہ کیا جائے۔

مندرجہ بالا صورت حال کے تناظر میں پاکستان کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کا وہ بیان اہمیت رکھتا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ وادیٔ سوات میں امن بحال ہورہا ہے اور سوات کی صورت حال پر کسی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے امریکی نمائندے رچرڈ ہالبروک سے کہا ہے کہ وہ سوات کی صورت حال سے پریشان نہ ہوں۔ وزیر اعظم پاکستان کے اس بیان سے قبل رچرڈ ہالبروک نے پاکستان میں صورتحال کو انتہائی نازک اور پریشان کن بتایا تھا اور مزید یہ بھی کہا تھا کہ پاکستان کی مغربی سرحدوں پر وہی لوگ ہیں جو ''۹/۱۱''۔ ''۲۶/۱۱'' اسلام آباد پر حملوں اور بے نظیر بھٹو کے قتل کے ذمہ دار ہیں اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے ساتھ حکومت پاکستان کو حملوں کا نشانہ بنانے کی تیاری کررہے ہیں۔

ہالبروک کا بیان رائی کو پربت بنانے کی کوشش ہے۔ ''۹/۱۱'' کے واقعہ کو ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں۔ لیکن القاعدہ یا طالبان یا کوئی مبینہ دہشت گرد تنظیم امریکہ میں ایک دھماکہ نہ کرسکی اور ۹/۱۱ کے سلسلے میں آج تک القاعدہ یا طالبان یا کسی مسلم تنظیم کو ذمہ دار یا مجرم بھی ثابت نہیں کیا جاسکا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں ہوئے دہشت گردی کے واقعات پر شکوک وشبہات اور ابہام واسرار کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ امریکہ پاکستان میں خطرناک اور بھیانک کارروائیاں کرنے کے لئے ذہن ہموار کررہا ہے۔ خود پاکستان کا یہ حال ہے کہ ایک طرف وزیر اعظم گیلانی امریکہ کے اندیشوں وخدشات کی نفی کررہے ہیں تو دوسری طرف صدر زرداری نے اپنے اعصاب پر طالبان اور القاعدہ کے بہانے اسلام پسندوں کا خوف طاری کرلیا ہے اور یوں بھی امریکہ کی ہم نوائی صدر زرداری کے لئے انتہائی ضروری ہے بلکہ شاید امریکہ کی مکمل اور صد فیصد تابعداری کی شرط پر ہی تو وہ مسند صدارت تک پہنچے ہیں! تاہم وزیر اعظم گیلانی پر امریکہ کی گرفت اس قدر مضبوط نہیں ہے جتنی کہ زرداری پر ہے۔ بہرحال صدر زرداری اور وزیر اعظم گیلانی کے بیانات میں فرق اور تضاد حقائق تک پہنچنے میں معاون ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہ طے ہے کہ اگر پاکستان کی صورت حال دھماکہ خیز نہیں بھی ہے تو امریکہ اور اس کے حواری وہاں صورتحال کو دھماکہ خیز بتانے بلکہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ پتہ نہیں پاکستانی حکومت کے کتنے لوگ امریکہ کے ساتھ اس مذموم مہم میں شریک ہیں۔

(منصف، حیدرآباد)

امریکہ کا ہراول دستہ: ناٹو

عرفان احمد عبدالسلام

دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ اور سوویت یونین کی کشاکش، دوقطبی نظام اور سرد جنگ کی پیداوار، ناٹو (معاہدہ شمالی اوقیانوس کی تنظیم) کی بنیاد ۴/اپریل ۱۹۴۹ء کو واشنگٹن میں بارہ ممالک نے رکھی اور اب اس کے رکن ممالک کی تعداد اٹھائیس ہوچکی ہے، جن میں امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ڈنمارک، بیلجیم، فرانس، آئس لینڈ، اٹلی لکسمبرگ، نیدر لینڈ، ناروے، پرتگال، یونان، ترکی، جرمنی، اسپین، چیک جمہوریہ، ہنگری، پولینڈ، لیتھونیا، بلغاریہ، سلواکیہ، سلوانیہ، رومانیہ، لیٹویا، اسٹونیا، البانیہ اور کروشیا شامل ہیں۔ ناٹو، ساٹھ سال قبل جنگ عظیم دوم کے بعد شمالی اوقیانوس کے ممالک نے امریکی چھتری تلے، اشتراکیت کے خطرے کو دور کرنے کے لئے قائم کی تھی۔ جس وقت ناٹو وجود میں آئی۔ اس وقت مشترکہ فوج کے قیام کے متعلق وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ لیکن کوریا جنگ کے بعد، جو در حقیقت نظریاتی اختلافات کا پیش خیمہ تھی، رکن ممالک نے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ یہ پہلا موقع تھا، جب سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مشترکہ فوج کی منظوری دی گئی۔ دوسری جانب ۱۴/مئی ۱۹۵۵ء کو سوویت یونین اور مشرقی یورپ کے مابین اجتماعی تحفظ اور تعاون کے لئے ''معاہدہ وار'' ضبط تحریر میں آیا۔ ایک عرصے تک دونوں سپر پاورز، فکری رجحانات، سیاسی ومعاشی نظریات اور مفادات کی سرد جنگ میں ملوث رہیں اور بالآخر سوویت یونین شکست وریخت کا شکار ہوا، پھر یک قطبی نظام اور نیوورلڈ آرڈر، عالمی برادری کے سامنے پیش کیا گیا۔ سوویت یونین کے حصے بخرے ہوجانے کے بعد معاہدہ وار سا، ۲۵/فروری ۱۹۹۰ء کو اپنی موت آپ مرگیا اور ایسا لگتا تھا کہ ناٹو بھی ختم ہوجائے گی، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جب اس دور کی امریکی وزیر خارجہ میڈیلین البرائٹ سے پوچھا گیا کہ امریکہ، ناٹو کی مشرقی یورپ تک توسیع کیوں چاہتا ہے جب کہ روس اب ناٹو ممالک کے لئے خطرہ بھی نہیں رہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ناٹو کو مستقل دشمن کی ضرورت نہیں، بدلتے حالات میں ناٹو کے اہداف بھی بدلتے جارہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۹۰ء کی دہائی کے اوائل ہی سے امریکہ نے کیوبا، عراق، شمالی کوریا، ایران، شام اور افغانستان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کردی۔ بعدازاں، بلقان کی شورش میں ناٹو کے کردار نے امریکہ کو خاصا مطمئن کیا، جہاں ناٹو نے مداخلت کرتے ہوئے، سربین فوج کو البانوی آبادی کے خلاف جاری نسل کشی بند کرنے پر مجبور کردیا۔

امریکہ نے ۱۱/ستمبر کے ستم گر واقعے کے بعد افغانستان اور عراق میں اپنے مذموم مقاصد کے لئے ناٹو افواج کو استعمال کیا۔ عرصۂ دراز تک سوویت خطرے سے دھمکائے رکھنے کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا واویلا مچا کر ناٹو کی صفوں میں اتحاد ویگانگت کی سعی کی جارہی ہے۔ ناٹو اتحاد میں توسیع کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری ہے، مشرقی یورپ اور سوویت یونین کے بطن سے جنم لینے والی آزاد ریاستوں کو خوش آمدید کہا جارہا ہے۔ روس، پولینڈ اور چیک ری پبلک میں امریکی میزائل شکن نظام اور یوکرائن، جارجیا سمیت کسی دوسری سابق سوویت ریاست کے ناٹو اتحاد میں شمولیت کا شدید مخالف ہے۔ ناٹو کے قیام کو ساٹھ سال ہوچکے ہیں، تنظیم کے قیام کے وقت افغانستان کے پہاڑوں میں جنگ لڑنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا گیا تھا، یہی جنگ آج ناٹو اتحاد کے لئے سب سے بڑا چیلنج بنی ہوئی ہے۔

افغانستان میں اس وقت ساٹھ ہزار ناٹو فوجی موجود ہیں اور مزید فوجی بھیجے جانے کا امکان ہے۔ افغانستان، ناٹو کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ کانفرنس کا سب سے اہم موضوع تھا۔ یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آچکی ہے کہ افغانستان میں ناٹو کی ہمت جواب دے چکی ہے۔ ناٹو افواج کبھی مزید فوج بھجوانے کی بات کرتی ہے، تو کبھی فوڈز کی کمی کا رونا رویا جاتا ہے، مگر حقیقت میں ناٹو افغانستان جنگ ہار چکی ہے، اتحادی فوج خودکشیاں کررہے ہیں، چھٹیوں پر جانے والے فوجی واپس ہی نہیں آتے۔ اگرچہ اب دنیا میں دہشت گردی کے خلاف جنگ سے والہانہ عقیدت، سپر پاور سے وفاداری کی سند بن چکی ہے، لیکن ناٹو ممالک پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امریکہ پر زور دیں گے کہ وہ جنگ برائے امن کی پالیسی کو ترک کرکے مذاکرات سے مسائل کا حل تلاش کریں۔ کسی بھی ادارے یا تنظیم کی افادیت کو اس کے مقصد اور کامیابیوں کی کسوٹی پر جانچا جاتا ہے، ناٹو کی ساٹھ سال پر مبنی طویل زندگی اشتراکیت کے نظام کو پارہ پارہ کرنے اور سوویت یونین کے حصے بخرے کرنے کی تو دلالت کرتی ہے، لیکن بڑے بڑے علاقائی تنازعات حل کرانے اور چھوٹی قوموں کے حق خود ارادی کی بحالی میں اسے خاطر خواہ کامیابی تو کجا، ہمیشہ تنقید ہی کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ نتیجتاً اس تنظیم پر امریکی داشتہ آید بکار کی چھاپ واضح ہوتی رہی ہے۔ امریکہ جب چاہتا ہے ناٹو کے منشور کی دفعہ پانچ کا، یعنی ایک رکن ملک کی لڑائی سب کی لڑائی تصور ہوگی، سہارا لے کر اپنے دشمنوں پر چڑھ دوڑتا ہے، دوسرے لفظوں میں امریکہ، بین الاقوامی معاملات میں ناٹو کو اپنی خارجہ وعسکری پالیسی کو عملی شکل دینے، جمہوریت کے فروغ اور مبینہ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ناٹو کا موجودہ حریف کمیونزم نہیں رہا، لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ ایک حریف کے زیر ہوجانے کے بعد خود کو فعال رکھنے اور عالمی برادری میں اپنی دھاک بٹھانے کے لئے نئے حریفوں کا تعین کیا جائے، کیا ناٹو کا عسکری پھیلاؤ قیام امن کا باعث بنے گا؟ بالکل نہیں، سائنسی ترقی، معاشی خوش حالی، انسانیت کی فلاح اور انفرادی حقوق کے لئے بے شک ناٹو کی توسیع وترویج کی جائے، لیکن کسی کو زیر کرنے کے لئے قد آور بننا، کہاں کا انصاف ہے؟ لہٰذا اب اس دنیا کے منصفوں کو اپنا طرز عمل تبدیل کرنا ہوگا کہ دہشت گردی کے خاتمے، جمہوریت کے فروغ اور پائیدار امن کے لئے ضروری ہے، جیو اور جینے دو کے نظریے پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

غیر ناٹو اتحادی

غیر ناٹو اتحادی ایک اصطلاح ہے جسے امریکہ اپنے ان قریبی اتحادیوں کے لئے استعمال کرتا ہے، جو اس کے ساتھی مگر ناٹو کے رکن نہ ہوں۔ غیر ناٹو اتحادی کی شمولیت کی صورت میں دو طرفہ دفاعی معاہدہ ضروری نہیں، لیکن اس کے نتیجے میں یہ ممالک، ناٹو ممالک سے زیادہ عسکری ومالی فوائد سمیٹتے ہیں۔ غیر ناٹو اتحادی کی اصطلاح، پہلی بار ۱۹۸۹ء میں سامنے آئی، ابتدائی طور پر آسٹریلیا، مصر، اسرائیل جاپان اور جنوبی کوریا غیر ناٹو اتحادی قرار پائے۔ لیکن نائن الیون کے بعد ''نظریہ ضرورت'' کے تحت امریکی صدر بش نے پاکستان کو بھی غیر ناٹو اتحادی قرار دیا۔

ناٹو کا نیا متنازعہ سکریٹری جنرل

ڈنمارک کے وزیر اعظم، آندرس فوگ راسموسن کو ناٹو کا نیا سکریٹری جنرل بنادیا گیا ہے۔ پانچ اپریل کو انہوں نے ملکہ ڈنمارک، مارگریٹ الثانی کو اپنا استعفیٰ بھی پیش کردیا۔ وہ ناٹو کے سکریٹری جنرل کا عہدہ یکم اگست ۲۰۰۹ء کو سنبھال لیں گے۔ نامزد ہونے کے بعد آندرس فوگ راسموسن کا کہنا تھا کہ یہ اُن کے لئے تاریخ ساز دن ہے، کیونکہ آج آزاد خیال کامیاب ہوگئے ہیں اور ڈنمارک، دنیا کا ایک اہم عالمی عہدہ سنبھال رہا ہے۔ انہوں نے اپنی نام زدگی پر امریکی صدر بارک اوباما کا بھی شکریہ ادا کیا۔ بہرحال عالمی، برادری، امریکہ کو یہ باور کروائے کہ اس نے ڈنمارک کے وزیر اعظم آندرس فوگ راسموں کو ناٹو کا سکریٹری جنرل بنا کر مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے۔ راسموسن نے ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے ایک اخبار میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کا دفاع کیا تھا اور جب گیارہ مسلم ممالک کے سفیروں نے احتجاج کے لئے ان سے ملاقات کا وقت مانگا، تو موصوف نے صاف انکار کردیا تھا۔ ناٹو کے رکن ملک، ترکی نے اُن کی نامزدگی پر شدید احتجاج کیا۔ راسموسن نہ صرف ہم جنس پرستی کے داعی ہیں، بلکہ ہم جنسوں کی چرچ میں شادی کے حامی بھی ہیں۔ ایک انتہائی متنازعہ شخص کو مغربی ممالک کے دفاعی اتحاد ''ناٹو'' کا سربراہ نام زد کرنا، مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک پر حملہ، سب پر حملہ

ناٹو کا اپنا مختصر لیکن جامع دستور العمل منشور ہے۔ معاہدہ واشنگٹن کی، جس میں ابتدائی رکن ممالک نے ناٹو منشور کی توثیق کی تھی، دفعہ پانچ نہایت اہمیت کی حامل ہے، جس کے مطابق فریقین اتفاق کرتے ہیں کہ یورپ یا اوقیانوس میں کسی بھی ایک رکن ریاست پر حملہ، اتحاد پر حملہ تصور کیا جائے گا، حملے کی صورت میں اقوام متحدہ کے منشور کے تسلیم شدہ، حق تحفظ اور اجتماعی سلامتی کے تحت متاثرہ فریق یا فریقین کی ہر طرح مدد کی جائے گی۔ اس دفعہ کا ناٹو کی تاریخ میں حقیقی استعمال سب سے پہلے ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی کے واقعے کے بعد کیا گیا۔

۲/اکتوبر کو امریکی دفتر خارجہ کے ترجمان نے شمالی اوقیانوس کی کونسل کے سامنے القاعدہ کو واقعے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ۱۴/اکتوبر کو ناٹو نے دفاعی حکمت عملی پر غور وخوض کیا، جس میں امریکہ کو ہر طرح سے تعاون کی یقین دہانی کرائی گئی، بلکہ ہر رکن ملک نے اپنی بساط اور استطاعت سے بڑھ کر حربی ومعاشی مدد کی۔ جس کے بعد امریکی فوج اتحادیوں کی کمان کرتے ہوئے عسکری میدان میں اتری، جو ناٹو کی یورپ اوقیانوس سے ہٹ کر کسی خطے میں پہلی کارروائی تھی۔ ●●

سوڈان کے خلاف صہیونی عزائم

عبدالغفار عزیز

سوڈان کے بارے میں مغرب کے عزائم کوئی خفیہ راز نہیں۔ وہی مغرب جسے غزہ میں انسانی حقوق کی پامالی، جارحیت، قتل وغارت، سفاکی وبے رحمی کچھ نظر نہیں آتا، دارفور میں ایسا کچھ نہ ہونے پر بھی، تمام عالمی اداروں کو حکومتِ سوڈان کے خلاف صف آرا کردیتا ہے۔ اقوام متحدہ نے ۲۰۰۴ء سے لے کر اب تک پوری گیارہ قرار دادیں منظور کرڈالیں کہ حقوق انسانی کی صورت حال خراب ہے۔ سیکورٹی کونسل نے ۲۰۰۵ء میں اپنی قرارداد نمبر ۱۵۹۳ء کے ذریعے یہ معاملہ عالمی عدالت جرائم میں بھیج دیا۔ ۱۴/جولائی ۲۰۰۸ء کو اٹارنی جنرل اوکامبو نے یہ الزام لگاتے ہوئے کہ ''سوڈانی باشندے وزیر انسانی امور احمد محمد ہارون اور جنجاوید ملیشیا کے سربراہ علی قشیب دارفور میں قتل عام کے اصل ذمہ دار ہیں اور سوڈانی صدر انہیں ہمارے حوالے نہیں کررہے، مطالبہ کیا کہ خود صدر کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کئے جائیں۔ ۴/مارچ ۲۰۰۹ء کو عدالت نے خود صدر عمر البشیر ہی کو اس قتل عام کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے باقاعدہ وارنٹ گرفتاری جاری کردیا۔

دارفور کا بحران آخر ہے کیا؟ عرب اور افریقی قبائل کے درمیان چراگاہوں کے مسئلے پر جھگڑا ہوا جسے فتنہ جو طاقتوں نے ہوا دے کر حکومت کے خلاف بغاوت کی شکل دی۔ تحریک آزادی سوڈان قائم کی جسے ہر طرح کی پشت پناہی اور مدد فراہم کی گئی۔ اس کے اسرائیل سے باقاعدہ روابط قائم ہیں۔ عالمی سطح پر بے بنیاد پروپیگنڈ کے ذریعے عمر البشیر کو مجرم قرار دلوانے کی کوشش کی گئی۔

سوڈان کے دوست اور دشمن سب جانتے ہیں کہ یہ کوئی عدالتی نہیں، سراسر سیاسی مسئلہ ہے اور اصل ہدف سوڈانی صدر نہیں، سوڈان کی ریاست ہے۔ جس عدالت سے وارنٹ جاری کئے گئے ہیں اس کی تشکیل کے وقت دو باتیں طے کی گئیں۔ ایک تو یہ کہ یہ عدالت اپنی تاریخ تشکیل (یکم جولائی ۲۰۰۲ء) سے پہلے کے واقعات کے بارے میں خاموش رہے گی۔ دوسرے یہ کہ جو ممالک اس عدالت کی تشکیل کی دستاویز پر دستخط اور ان دستخطوں کی توثیق نہیں کریں گے، عدالت ان ممالک کے بارے میں بھی کوئی مقدمہ نہیں سن سکے گی۔ یہی وجہ تھی کہ حال ہی میں ۴۰ سے زائد عراقی درخواست گزاروں نے عراق میں ہونے والے قتل عام اور ابوغریب کے واقعات کے بارے میں مقدمہ درج کروانے کی کوشش کی تو اٹارنی جنرل اوکامبو نے یہ کہہ کر درخواست مسترد کردیں کہ عراق نے عدالت کو تسلیم ہی نہیں کیا اس لئے وہاں کا کوئی مقدمہ نہیں سن سکتے۔ یہی جواب غزہ کے بارے میں دی جانے والی درخواستوں کا بھی دیا گیا کہ اسرائیل نے عدالت کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن جب پوچھا گیا کہ سوڈان نے بھی تو اس عدالت کو تسلیم نہیں کیا۔ (No comments) اس پر کوئی تبصرہ نہیں۔

یہ ہے عالمی عدالت کے انصاف اور انسان دوستی کی حقیقت! اس کے اٹارنی جنرل لوئیس مورینو اوکامبو نے یہ سارا بحران کھڑا کرنے اور ایک مسلمان حکمران کے خلاف مقدمہ قائم کرنے کے لئے اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کی کہ خود دارفور جاکر حقائق وشواہد کا جائزہ لیتا۔ اس نے صرف بعض غیر سرکاری تنظیموں این جی اوز اور کچھ برسرپیکار عناصر کی گواہیوں

باقی صفحہ ۸ پر

افغانستان سے نکلنے کیلئے امریکی حکمت عملی

عربی سے ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی

افغانستان پر سات برس کے وحشیانہ قبضہ کے بعد امریکہ کو اب احساس ہوا ہے کہ اس جنگ کو صرف فوجی قوت ختم نہیں کرسکتی، اور یہ کہ وہاں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک ایسی اسٹریٹجی کی ضرورت ہے جو فوجی، سفارتی اور اقتصادی عملیات پر مشتمل ہو، چنانچہ امریکی صدر بارک اوباما نے امریکی ٹیلی ویژن سی بی ایس کے ساٹھ منٹ پروگرام میں کہا: ہم نے بڑے امریکن عہدیداروں کی سفارشوں اور اتحادیوں سے مشورہ کے بعد افغانستان، پاکستان اسٹریٹجی پر نظر ثانی کی ہے اور اب افغانستان سے نکلنے کے لئے ایسی اسٹریٹجی کی تلاش میں ہیں جس سے یہ تاثر نہ پیدا ہو کہ امریکہ نے سوچے سمجھے بغیر ایک متعین پالیسی سے انحراف کیا۔ ہم یہ نہیں سوچ سکتے کہ افغانستان میں صرف عسکری اسلوب ہمارے مسائل کو حل کرلے گا، اس لئے ہم وہاں سے نکلنے کی ایک جامع وشامل اسٹریٹجی کی تلاش میں ہیں۔ اگست 2009ء کے افغانی انتخابات میں تشدد کو قابو میں رکھنے کے لئے سترہ ہزار اضافی امریکی فوجیوں کو بھیجنے کا فیصلہ میرے لئے مشکل ترین تھا۔ اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت یہی اقدام صحیح تھا۔ ۱۱/ستمبر 2001ء کے واقعات کے بعد افغانستان پر قبضہ کا بنیادی مقصد امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی زمین پر اور ان کے مفادات کے خلاف القاعدہ کے ایسے دیگر حملوں کو روکنا تھا۔ اس وقت اسی کو مطلق اوّلیت حاصل تھی۔ اوّلیات کی بات آئی ہے تو ہمیں کئی کام کرنے ہیں جیسے ☆ افغانی اقتصادی حالت کو مضبوط کرنا ☆ پاکستان میں سفارتی مساعی کو دوگنا کرنا ☆ علاقائی فریم ورک میں افغانستان کی صورتحال سے معاملہ بندی ☆ بین الاقوامی شرکاء کے ساتھ زیادہ ترتیب وتنسیق، مگر اس سب کے باوجود ہم اپنے بنیادی مقصد/مہم سے غفلت نہیں برت سکتے۔ 2002ء میں جب امریکی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں تو ہمارے سامنے یہی مقصد تھا کہ امریکی شہریوں پر اس جیسے دیگر حملوں پر خاموشی اختیار نہیں کی جاسکتی۔ ان باتوں کے علاوہ اوباما نے طالبان کی معتدل عناصر سے گفتگو کی تائید کی، اور افغانستان کے ساتھ پاکستانی حدود پر طالبانی عناصر کے ٹھکانوں، پاکستانی حکومت کو قابو حاصل کرنے کے ضمن میں انہوں نے کہا: جب تک حکومت پاکستان اس سرحدی پٹی پر کنٹرول حاصل نہیں کرلیتی جس سے اہم راستے گزرتے ہیں اس وقت تک ہمارے خیال میں خطرہ قائم رہے گا۔ اوباما کی سوچ کے یہ اشارے ۳۱/مارچ کو لاہائی میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس اور ۳-۴/اپریل کو ناٹو کی چوٹی کانفرنس سے پہلے ملے ہیں جہاں ان کی انتظامیہ نے افغانی صورتحال سے متعلق اپنی اسٹریٹجی پیش کی ہے۔ اس اسٹریٹجی کے ضمن میں امریکہ کو افغانستان میں سیکڑوں ماہرین پھیلانے ہیں تاکہ وہ مقامی سطح پر سیاسی واقتصادی ترقی کو بڑھائیں اور افغانی افواج کو مستحکم کرکے ان کی تعداد چار لاکھ تک پہنچائیں۔ افغانی مسئلہ سے متعلق واشنگٹن اس وقت جن امور پر غور کررہا ہے ان میں: وہاں دہشت گردی کے خلاف جنگ، افغان افواج کی ٹریننگ ملک کے جنوبی ومشرقی حصے میں دہشت گردی کے خلاف اقدامات وغیرہ شامل ہیں۔

اسی دوران برٹش اخبار نے اپنی اشاعت ۲۲/مارچ میں کابل میں نائب امریکی سفیر ولیم ووڈ کا انٹرویو شائع کیا ہے جس میں انہوں نے طالبان کو اپنی سیاسی جماعت بنانے یا آئندہ انتخابات میں اس کے امیدواروں کی شرکت کی تجویز رکھی ہے۔ اس لئے کہ یہ فوجی کارروائیوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کی نظر میں پُرامن حل کے تجربہ کی امریکی اسٹریٹجی کے دائرہ میں ہے۔ دوسرے زیر غور امور میں انہوں نے بتایا کہ گفتگو کا دروازہ کھولنے کے لئے افغانی دستور کو اس طرح بدلنا ہے کہ نمایاں شخصیات اقوام متحدہ کی بلیک لسٹ سے ہٹائی جاسکیں اور ان قیدیوں کو آزاد کیا جاسکے جن کی رہائی پر طالبان مصر ہیں، معاہدہ ہونے کے فوراً بعد تشدد اور عصیان کی تمام کارروائیاں بند ہوجائیں گی۔ طالبان کے ساتھ اقتدار کی تقسیم یا کئی شہران کے پاس چھوڑنے کی کوئی تجویز نہیں ہے، لیکن سیاسی جماعتوں کی تشکیل یا انتخابات میں شرکت زیر غور ہیں۔ انہوں نے اطلاع دی تھی کہ بیرونی افواج کے ملک سے نکلنے تک کوئی گفتگو نہیں ہوگی لیکن ہم نے ان سے کہا ہے: یہ بات غیر منطقی ہے، حقیقت پسندانہ نہیں ہے، ہم کو حقیقت پسند ہونا چاہئے، نائب سفیر نے یہ بھی بتایا کہ سیاسی عمل میں شرکت پر گفتگو کی طالبان کو پیشکش القاعدہ تنظیم پر لاگو نہیں ہوتی، اس لئے کہ طالبان نے تشدد اور لڑائی روکنے اور مصالحت کی طرف رجحان کا اظہار کیا تھا، مگر القاعدہ تو دنیا کا دشمن رہے گا جس سے مصالحت کی توقع کرنا مشکل ہے۔

آبزرور کے مطابق گزشتہ ماہ افغان حکومت اور طالبان کے درمیان گفتگو کی چار میٹنگس ہوئیں، جن میں جلال الدین حکمتیار نے شرکت کی، اسی طرح ارسال رحمانی (سابق طالبانی وزیر اور حکومت وطالبان کے درمیان موجودہ واسطہ) کے مطابق گزشتہ دو ہفتوں کے دوران ان کے نمائندے دبئی کے ایک ہوٹل میں ملے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان کا جلال الدین حقانی (طالبان کی فوجی قیادت کے جنوبی محاذ کے قائد) سے رابطہ ہے۔ نیز طالبان نمائندوں کی صدر حامد کرزئی کے بھائی سے بھی راست ملاقات ہوئی ہے۔ اور ناٹو اور یوروپی یونین کے ذمہ دار طالبان سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے مل چکے ہیں تاکہ لڑائی روکنے کے لئے سنجیدہ گفتگو کی ابتدا کے لئے طالبان کے مطالبات سے واقفیت حاصل ہو۔ (ہفتہ وار الامان، بیروت)

جمہوریت کا چوتھا ستون: ذرائع ابلاغ

عارف عزیز (بھوپال)

سرزمین بے آئین میں رہنا اور زندگی گزارنا جنگل کے قانون کے تحت زندگی بسر کرنے کے مترادف ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں استحصال، ظلم اور جبر کے خلاف کوئی روک ٹوک نہ ہو، بے خوف نقل وحرکت کی آزادی نہ ہو اپنے ضمیر کے مطابق بولنے یا لکھنے کا اختیار نہ ہو، ایک بڑے قید خانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ آج بھی کئی لوگ اس ملک میں ایسے موجود ہوں گے جنہوں نے اس ہولناک ماحول کا خود مشاہدہ کیا ہے جو آزادی سے پہلے ہندوستان میں پایا جاتا تھا اور ان تکالیف کو بھگتا ہے جو جرم غلامی کی سزا کے طور پر ان کی زندگی کا حصہ بن گئی تھیں۔ یہ سب سات سمندر پار کے اس ملک سے ہورہا تھا جو متمدن دنیا میں جمہوریت اور حق خود اختیاری کا سب سے بڑا علمبردار تھا مگر ہندوستان کے عوام کو جینے کا حق دینے پر آمادہ نہ تھا۔

اس زبان بندی اور انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف آخرکار کچھ لوگ اٹھے جنہوں نے مسلسل نصف صدی تک اپنی جدوجہد جاری رکھی وہ غلامی کی لعنت کے خلاف جس جس کر لڑتے رہے۔ ملک وقوم کے ان ہی محسنوں کی قربانیوں کی بدولت یہ ملک آزاد ہوا، وہ قوم جو ماضی کے سوا اپنے ہر اثاثے سے محروم ہوچکی تھی حال ومستقبل کی امین بن گئی اور اس امانت کا ظہور اس دستاویز کی شکل میں ہوا جو آج ہندوستان کے آئین کے نام سے موسوم اور جمہوریت کے رہنما اصولوں کی شکل میں حرکت پذیر ہے۔ یہ آئین ہماری قومی امنگوں کا مظہر ہی نہیں دنیا کے حریت پسند انسانوں کے لئے بھی ایک نمونہ ہے، کیونکہ اس میں ذات، فرقہ، نسل اور مذہب کی تفریق سے بالاتر اس سوسائٹی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا گیا ہے جو انسان صدیوں سے دیکھ رہا تھا۔

یعنی ملک کے ہر شہری کے ساتھ مساویانہ انصاف، ہر باشندے کے ساتھ ریاست کا برابر سلوک، تحریر، تقریر، خیال اور اجتماعی سرگرمیوں کی آزادی، تمام فرقوں، مذہبوں اور تہذیبوں اکائیوں کو اپنے اپنے دائرے میں پھلنے پھولنے کے مواقع مہیا ہونا، یہ مستحکم ستون جن پر ہندوستانی آئین کی شاندار عمارت کھڑی ہوئی ہے، دنیا کے تمام جمہوری اصولوں کا نچوڑ اور ہندوستانی قوم کی روشن خیالی اور بلند ہمتی کی علامت ہے، لیکن اس کا چوتھا ستون بلکہ مسلمہ حق اخبارات ہیں جن کے ذریعہ رائے عامہ کو باشعور بنانے اور اس کی ذہنی تربیت کرنے کا کام انجام پاتا ہے۔

دنیا میں آج قوموں، گروہوں اور انسانوں کے درمیان مقابلہ کافی تیز ہوگیا ہے، اس مقابلہ آرائی میں کامیابی کا سہرا اسی کے سر بندھتا ہے جس کے پاس ذرائع ابلاغ زیادہ ہوں بدقسمتی سے ہندوستان کی مسلم اقلیت نے اخبارات کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا اس کے برعکس امریکہ کے یہودیوں نے اس راز کو پالیا۔ اس لئے اقلیت میں ہونے کے باوجود وہاں کی سیاست آج ان کے اردگرد گھومتی ہے اور صدر امریکہ جیسا طاقتور حاکم ان کی مرضی پر چلنے کے لئے مجبور ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ شکایت تو بہت ہے کہ ملک میں ان کی آواز سنی نہیں جاتی، کسی بھی نازک گھڑی میں ان کو ملزم بنا کر کھڑا کردیا جاتا ہے، حکومت اور قانون ساز اداروں میں ان کی نمائندگی محدود ہوکر رہ گئی ہے، سرکاری ملازمتوں سے وہ دن بدن بے دخل ہوتے جارہے ہیں ان کی زبان اور تہذیب کو منصوبہ بند طریقہ سے ختم کیا جارہا ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ قومی پریس کا رویہ ان کے بارے میں ہمدردانہ نہیں اور حکومت ان کی آواز بہت کم سنتی ہے مگر مسلمانوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ ۱۰۰ کروڑ کے اس ملک ہندوستان میں اپنی آواز دوسروں تک پہنچانے کے لئے خود انہوں نے کیا بندوبست کیا ہے۔

عام زندگی کا مشاہدہ ہے کہ کسی چھوٹے سے مجمع تک آواز پہنچانے کے لئے لوگ لاؤڈ اسپیکر کی مدد حاصل کرتے ہیں لیکن ہندوستان کی مسلم آبادی نے ذرائع ابلاغ کے بغیر ہی اس ہنگامہ شور وغل میں اپنی آواز سنے جانے کی امید موہوم باندھ رکھی ہے جس میں نہ آج کامیابی کی توقع ہے نہ کل ہوسکتی ہے۔ ●●

افریقی ممالک میں تیل کے ذخائر

میاں علی رضا

براعظم افریقہ بدحالی، خانہ جنگی، سیاسی انتشار اور معاشی بحران کی وجہ سے عالمی کھلاڑیوں کے لئے سب سے اہم گراؤنڈ بن چکا ہے، کیونکہ براعظم افریقہ قدرتی وسائل سے مالا مال خطہ ہے جس پر عالمی کھلاڑی نظریں جمائے بیٹھیں ہیں، بین الاقوامی دانشوروں، تجزیہ نگاروں اور مبصرین کے مطابق مستقبل کی سپر پاور بننے کے لئے افریقہ کے وسائل پر کنٹرول کرنا ناگزیر ہے جس کی وجہ سے افریقہ اب عالمی سیاست میں سب سے اہم پوزیشن کا متحمل ہو چکا ہے۔ افریقہ پر کنٹرول کے لئے ہر ملک اپنی پالیسیوں کے مطابق عمل کر رہا ہے، مثال کے طور پر امریکہ نے اپنی روایتی پالیسی اپنائی ہوئی ہے وہ افریقہ کو خانہ جنگی کی حالت میں رکھ کر اس پر اپنی حاکمیت قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے جب کہ چین اس کو تحفظ فراہم کر کے اس کے وسائل سے مستفید ہونے کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔ ظاہری سطح پر چین کی پالیسی زیادہ کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی ہے جس کی وجہ سے عالمی تجزیہ نگار چین کو مستقبل کی سپر پاور کہہ رہے ہیں جو کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کے لئے ناقابل قبول بات ہے۔ دنیا کی غیر متوازن صورتحال کے مدنظر اس بات کا عندیہ دیا جا رہا ہے کہ دنیا کی خطرناک ترین جنگ کے لئے براعظم افریقہ کی سرزمین کو تیار کیا جا رہا ہے اب سے اگر چند دہائیاں پیچھے کی طرف دیکھا جائے تو امریکہ کی عراق اور افغانستان میں مداخلت کی وجوہ کوئی ذاتی نوعیت کی نہیں تھیں بلکہ وسطی ایشیاء میں موجود قدرتی ذخائر کے کنٹرول کے لئے افغانستان پر کنٹرول لازمی تھا۔ اب تو بات پوری طرح کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ صرف اور صرف افغانستان پر کارروائی کرنے کے لئے امریکی راہ ہموار کرنے کے لئے کیا گیا تھا کیونکہ افغان روٹ کے بغیر امریکی وسطی ایشیا کے ذخائر کو سات سمندر پار نہیں لے جا سکتا تھا مگر امریکہ کی پلاننگ تو بلٹ پروف تھی اس کی حکمت عملی میں طالبان مزاحمت تو تھی مگر اس نوعیت کی نہیں جس کا ان کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

براعظم افریقہ پر امریکہ اور یورپی استعماری طاقتوں کی نظر بہت پہلے سے ہی تھی مگر طالبان اور چین کی طرف سے سنٹر ایشین ممالک کے تعاون سے بنائی جانے والی ''شنگھائی کوآپریشن آرگنائزیشن'' کی مداخلت نے امریکہ کو افریقہ پر توجہ مرکوز کرنے پر مجبور کر دیا۔ افریقہ میں اکثریت مسلم ممالک کی ہے جن میں اینٹی امریکن نظریات کو فروغ حاصل ہے جس کی وجہ سے چین اور روس کو آسانی جب کہ امریکہ کے لئے افریقہ میں بھی مزاحمت تیار تھی، دنیا جہاں ترقی کی منازل طے کر رہی ہے ادھر توانائی کے حصول کے لئے بھی کوشاں ہے کیونکہ اس صدی میں سپر پاور بننے اور ترقی یافتہ بننے کے لئے توانائی پر کنٹرول کرنا ناگزیر سمجھا جا رہا ہے، عالمی سیاسی منظرنامے پر امریکہ، یورپی یونین اور جاپان جیسے اہم کھلاڑی جہاں توانائی کو محفوظ کرنے کی صفت میں آ گئے ہیں اب ان کے مقابلے میں چین بھی آ چکا ہے، جس کی وجہ سے ان عالمی بازی گروں کو تشویش لاحق ہو چکی ہے۔ چین کی اقتصادیات کی شرح جس رفتار سے بڑھ رہی ہے وہ وقت اب دور نہیں جب معاشی حوالے سے عالم تمام کو اس کا مرہون منت ہونا پڑے گا۔ چین معاشی سپر پاور بننے کے قریب ہے کچھ تجزیہ نگار تو چین کو اب سے ہی معاشی سپر پاور کہہ رہے ہیں چین کو بھی اپنی بڑھتی ہوئی اقتصادیات کو تیز کرنے یا استحکام بخشنے کے لئے توانائی کے ذخائر درکار ہیں۔ ان ذخائر خاص طور پر تیل کو اسٹور کرنا چین کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے جس کی وجہ سے چین نے افریقہ کا رخ کیا، چین کے افریقہ میں سرمایہ کاری کرنے کی کئی وجوہ بتائی جا رہی ہیں، افریقہ اس وقت تیسری دنیا کہلاتا ہے جہاں تیل حاصل کرنے کے لئے وسائل کی قلت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے چین کے لئے راہ آسان ہو گئی چین نے وسائل مہیا کرنے کی غرض سے افریقہ میں قدم رکھا اور اپنے قدم مضبوط بنیادوں پر استوار کر لئے جو کہ امریکہ، یورپی یونین اور جاپان جیسے عالمی کھلاڑیوں کے لئے تشویشناک امر ہے۔ عالمی مبصرین کے مطابق افریقہ میں پائی جانے والی خانہ جنگی اور غیر متوازن حالات دراصل چین اور امریکہ کے درمیان تیل کے حصول کے لئے ہونے والی سرد جنگ کا نتیجہ ہیں۔ چین نے افریقہ میں غیر یقینی طور پر اہمیت اختیار کر لی ہے جب کہ مغربی استعماری ممالک بھی افریقہ میں بہت زیادہ سرمایہ لگا چکے ہیں جن کی بناء پر افریقہ میں ان کا اثر ورسوخ بھی کافی زیادہ ہے جو کہ افریقہ میں تصادم کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ پچھلی دو دہائیوں سے چین کی اقتصادی ترقی کی شرح ۹ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے جس کے لئے توانائی کے زیادہ سے زیادہ مزید ذخائر درکار ہیں اگرچہ چین توانائی کے حصول کے لئے تیل کی بجائے کوئلے اور متبادل راستے اختیار کرتا رہا ہے مگر بین الاقوامی فضائی آلودگی کے مدنظر اب چین زیادہ سے زیادہ تیل پر انحصار کر رہا ہے، اب چین امریکہ کے بعد دنیا کا دوسرا ملک ہے جو تیل بہت زیادہ استعمال کر رہا تھا جب کہ توقع کی جا رہی ہے کہ یہ شرح ۲۰۳۰ء تک ۱۳ء۱ ملین بیرل یومیہ ہو جائے گی جو کہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہوگی، چین اپنی ضروریات کا نصف تیل مشرق وسطی سے حاصل کر رہا ہے جب کہ نصف بقیہ تیل کے حصول کے لئے افریقہ اور لاطینی امریکہ پر انحصار چین کی مجبوری ہے، مشرق وسطی کے ممالک پوری دنیا کا تقریباً ۶۲ فیصد تیل کے ذخائر رکھتے ہیں اور افریقہ ۹ فیصد تیل کا مالک ہے، مگر سائنسدانوں کی تحقیقاتی رپورٹس کے مطابق افریقہ میں سب سے زیادہ تیل موجود ہے جو کہ ابھی تک دریافت نہیں ہوا کیونکہ وہاں وسائل کی کمی ہے چین اس وقت اپنی ضروریات کا ایک تہائی تیل افریقہ سے حاصل کر رہا ہے اس کے برعکس امریکہ ۲۰۰۶ء تک ۳۳ فیصد تیل افریقہ سے حاصل کر رہا تھا۔

چین کو تیل بیچنے والے افریقی ممالک میں انگولا، جمہوریہ کانگو، خط استوا پر واقع ملک گنی اور سوڈان ہیں، افریقہ کا ۸۵ فیصد تیل چین کو انہی ممالک سے حاصل ہوتا ہے، چین اب افریقہ کا دوسرا بڑا تجارتی شراکت دار بن چکا ہے۔ امریکہ کی تجارت سب سے زیادہ لیکن چین نے افریقہ کے معاملے میں بھی برطانیہ اور فرانس کو مات دے دی ہے جو کہ نا صرف امریکہ بلکہ یورپی یونین کے لئے بھی قابل اعتراض امر ہے مگر وہ کچھ نہیں کر سکتے، ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۷ء تک چین کی تجارتی سرمایہ کاری افریقہ میں دوگنی ہو چکی ہے۔

۲۰۰۲ء میں چین کی افریقہ میں تقریباً ۱۸ء۵ بلین ڈالر سرمایہ کاری تھی مگر ۲۰۰۷ء میں یہ سرمایہ کاری ۷۳ بلین ڈالر تک پہنچ چکی ہے۔ جو کہ مزید بڑھنے کی توقع کی جا رہی ہے، چین کی سرمایہ کاری کا انحصار افریقہ میں تیل کے معاہدوں پر ہے کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ چین سوڈان اور دوسرے افریقی ممالک سے زیادہ سے زیادہ تیل کے معاہدے کر رہا ہے تیل کے برعکس چینی کمپنیاں افریقہ سے لکڑی، کاپر اور ہیرے کی خریداری بھی کر رہی ہیں۔ سیاسی تجزیہ نگاروں کے مطابق چین اور امریکہ کے لئے افریقہ سونے کی چڑیا کے مترادف ہے جو اس کو حاصل کرے گا وہی دنیا کی سپر پاور ہوگا۔ چین افریقہ کی معاشی بدحالی کی بدولت وہاں کی زیادہ تر سرکاری کمپنیوں کو پرائیویٹائز کر کے خرید رہا ہے تاکہ مستقبل کے مقاصد کے حصول میں رکاوٹ نہ آئے جو کہ چینی سرمایہ کار اور کمپنیاں بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہی ہیں۔ کچھ چینی ٹیکسٹائل کمپنیاں محض اس لئے افریقہ میں انڈسٹریز لگا رہی ہیں کہ امریکہ کی ساکھ کو خراب کیا جائے وہ کمپنیاں افریقی مزدوروں کو بے شمار مراعات دے رہی ہیں تاکہ چین کی ساکھ کو مضبوط طریقے سے قائم کیا جا سکے۔ ۲۰۰۷ء کی اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق چین کی کل بیرونی سرمایہ کاری کا تقریباً ۳ فیصد افریقہ میں لگا ہے اور اب چین افریقہ کا ایک مضبوط ستون بن چکا ہے، افریقہ کی خوشحالی کا انحصار اب چین پر ہے نہ کہ امریکہ پر۔ نائیجیریا اور انگولا افریقہ کے سب سے زیادہ تیل نکالنے والے ملک ہیں ان ممالک کے مغربی آئیل کمپنیوں کے ساتھ بڑے وسیع پیمانے پر معاہدے ہو چکے تھے مگر چین نے ان ممالک کے ساتھ بھی معاہدے کر کے مغرب کی تشویش میں ڈال دیا ہے۔ چین اپنی نہیں بلکہ دوسرے کی شرائط پر معاہدے کرتا ہے جو کہ ہر ملک کے لئے قابل قبول بات ہوتی ہے، تجزیہ نگاروں کے مطابق چین مفاہمت جب کہ امریکہ جبر کے ذریعہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔ ۲۰۰۷ء میں ہونے والے معاہدے کے مطابق انگولا جو کہ امریکہ کا افریقہ میں سب سے بڑا اتحادی سمجھا جاتا ہے نے چین کو چار لاکھ ۶۵ ہزار بیرل تیل روزانہ دینے کا معاہدہ کیا، چین نے اپنی کمپنیوں کو ۲۰۰۴ء میں دو بلین ڈالر کا قرضہ دیا تاکہ وہ افریقہ میں سڑکیں ہسپتال، اسکولز اور ریلوے لائنز تعمیر کر سکیں چین معاہدوں کے ساتھ ساتھ مراعات اور قرضہ دینے کی حکمت عملی کے ساتھ افریقہ میں کام کر رہا ہے جب کہ امریکہ اپنے معاشی بحران کی وجہ سے بہت پیچھے چلا گیا ہے امریکہ اب کسی ملک کو قرضہ نہیں دے سکتا بلکہ اب امریکہ کو چین کے دروازے پر دستک دینا پڑ رہی ہے تاکہ اس معاشی سونامی سے بچا جا سکے، چین کی سرکاری کمپنی، ''سی این پی سی'' نے نائیجیریا میں دو بلین ڈالر کی تیل کے حصول کے حوالے سے سرمایہ کاری کی ہے جو کہ نائیجیریا نے قبول کر لی جب کہ نائیجیریا امریکہ کو سب سے زیادہ تیل دینے والا ملک ہے۔ ۲۰۰۷ء میں کئے گئے سروے کے مطابق افریقہ نے ۸ء۴ فیصد کے حساب سے اقتصادی ترقی کی ہے جو کہ افریقی تاریخ میں سب سے زیادہ سمجھی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ تجزیہ نگاروں کے مطابق صرف چین کی سرمایہ کاری کی بدولت ہے چین نے افریقہ میں اسکول اور ہسپتال بھی تعمیر کئے ہیں اور ان میں چینی ماہرین کو بلایا ہے تاکہ افریقہ کی بدحالی کو خوشحالی میں بدلا جا سکے کچھ مغربی تجزیہ نگار چین کے اس فعل کو محض مزید سرمایہ کاری کرنے کے لئے چین کی چال قرار دے رہے ہیں، اوباما انتظامیہ بھی مشرق وسطی سے زیادہ افریقہ کے لئے پالیسی مرتب کر رہی ہے تاکہ افریقہ میں چین کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو کم کیا جا سکے، اوباما کا انتخاب بھی اسی حکمت عملی کی ایک کڑی قرار دیا جا رہا ہے تاکہ یہ سیاہ فام امریکی صدر کو افریقی ہمدردی حاصل ہو اور امریکی مذموم عزائم کو جو سفید فام صدر نہ حاصل کر سکے، وہ سیاہ فام صدر کے ذریعے حاصل کئے جا سکیں۔

حال ہی میں چینی صدر ''ہوجن تاؤ'' نے چار افریقی ممالک کا دورہ کیا اور مختلف معاہدوں کے ساتھ ساتھ تین بلین ڈالر امداد کا اعلان بھی کیا جو کہ صرف اس میں امریکی بدلتی ہوئی افریقہ کے متعلق پالیسی کے پیش نظر تھا۔ چین نے مالی، سنی گال، تنزانیہ اور موریشیز کے ساتھ بھی تجارتی معاہدے کر رکھے ہیں، امریکی اخبار واشنگٹن ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق چین افریقہ کے تمام قدرتی وسائل حاصل کرنے کی حکمت عملی پر کام کر رہا ہے۔ جس میں وہ بڑی تیزی سے کامیاب ہو رہا ہے۔ ۲۰۰۸ء میں چین کی غیر ملکی سرمایہ کاری کا تخمینہ ۱۰۶ء۸ بلین ڈالر لگایا گیا تھا جب کہ ۵۶ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری صرف افریقہ میں کی گئی جس میں ۵۰ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری صرف تیل کے حصول کے لئے کئے گئے معاہدوں پر کی گئی ہے، امریکہ کو سوڈان کے حوالے سے بھی بہت زیادہ تشویش ہے کیونکہ سوڈان بھی افریقہ میں تیل کے بڑے ذخائر رکھنے والے ممالک میں سے ایک ہے اور سوڈان پر دارفر کے معاملے کو بنیاد بنا کر پابندیاں عائد کی ہیں اگر سوڈان پر پابندیاں کھلتی ہیں یا پھر امریکی حمایت یافتہ مزاحمت کار برسراقتدار آتے ہیں تو چین کی اربوں ڈالر کی کی گئی سرمایہ کاری ڈوب جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی مخالفت کے باوجود عمر حسن البشر کا بال بھی بانکا نہیں ہو سکا، چینی ماہرین کے مطابق افریقہ میں چین اور امریکہ کے درمیان اختلافات کی اہم وجہ سوڈان ہے۔ سوڈان افریقہ میں امریکہ کی مخالفت اور چین کا اتحادی سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے آئے دن سوڈان پر مختلف اطراف سے دباؤ ڈالا جاتا رہا ہے، حال ہی میں عالمی جرائم کی عدالت نے دارفر کے مسئلے پر عمر حسن البشر کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے اور دوسری طرف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں سوڈان پر پابندیوں کے حوالے سے قرارداد بھی پیش کی گئی مگر چین نے سوڈان کے متعلق اقوام متحدہ کی قرارداد کو ویٹو قرار دے کر سوڈان کو تحفظ فراہم کیا افریقہ اس وقت چین کی سب سے بڑی تجارتی منڈی بن چکا ہے کیونکہ چینی مصنوعات معتدل قیمتوں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں، افریقہ میں چین کی مداخلت بڑے پیمانے پر روکنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، چین افریقہ میں استحکام لانا چاہتا ہے تاکہ افریقہ کو یورپ کی طرز کا براعظم بنایا جا سکے مگر امریکہ نہیں چاہتا کیونکہ اگر افریقہ میں استحکام آ جاتا ہے تو امریکہ کسی بھی صورت افریقہ میں مداخلت کرنے کا جواز نہیں رکھتا جو کہ اس کے مذموم عزائم کے لئے خطرہ ہے۔

آپ تاریخ دیکھ لیں امریکہ صرف ان ممالک کو یا تو دہشت گرد ریاست قرار دلوا دیتا ہے یا پھر ان پر پابندیاں لگا دیتا ہے جو کہ امریکہ مخالف ہوں یا پھر امریکی مذموم عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنیں، یہی حال افریقہ میں ہے۔ افریقہ میں امریکہ نے صرف ان ممالک پر پابندیاں لگائی ہیں جنہوں نے چین کے ساتھ توانائی کے معاہدے کر رکھے ہیں تو پھر چین کیوں کر چاہے گا کہ امریکہ افریقہ پر قبضہ کر کے افریقہ جیسے قدرتی ذخائر سے مالا مال براعظم پر کنٹرول حاصل کرے۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر، کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانے پر حملوں کا مقصد وسطی ایشیا اور افریقہ میں امریکی مداخلت کی راہ ہموار کرنا تھا جس میں بظاہر تو امریکہ کامیاب ہوا لیکن مداخلت نے جو شکل اختیار کی ہے اس کا امریکی نام نہاد تھنک ٹینک کو اندازہ نہیں تھا، امریکہ افریقہ میں بھی صیہونی ایجنڈے پر کارفرما ہے، امریکہ میں تیل کے تاجر یہودی ہیں اور اسلحہ بنانے والی فیکٹریوں کے مالک بھی یہودیوں ہیں۔ ان کے لئے دنیا میں عدم استحکام ہی موزوں ہے اگر دنیا میں استحکام آ جائے تو یہودی کا کاروبار ختم ہو جائے گا، دوسری طرف یہ توانائی کا دور چل رہا ہے امریکہ میں تیل اور توانائی حاصل کرنے والے سب کے سب یہودیوں کی ملکیت ہیں۔ اگر چین افریقہ کا تیل حاصل کر لیتا ہے تو وہ بھی یہودی کے لئے ناقابل قبول ہے رہی بات مشرق وسطی کی تو اس خطے میں مسلمان ممالک کی حالت افریقی مسلم ممالک سے قدرے بہتر ہے۔ اس لئے امریکہ اس خطے میں اس طریقے سے مداخلت نہیں کر سکتا جس طرح وہ افریقہ میں کر رہا ہے، افریقہ قدرتی ذخائر سے مالا مال خطہ ہے لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے اس خطے سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا گیا اب یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اگر مستقبل میں سپر پاور بننا ہے تو افریقہ کے قدرتی وسائل پر کنٹرول کرنا ہوگا اور یہ بھی عندیہ دیا جا رہا ہے کہ سپر پاور بننے کے لئے فیصلہ کن محاذ آرائی بھی افریقہ میں ہی ہوگی جس میں امریکہ اور چین کا تصادم ناگزیر ہے۔ ●●

امریکہ انہی ممالک کو دہشت گرد ریاست قرار دلوا دیتا ہے یا پابندیاں لگا دیتا ہے جو کہ امریکہ مخالف ہوں یا پھر امریکی مذموم عزائم کی راہ میں رکاوٹ بنیں، یہی حال افریقہ میں ہے۔ افریقہ میں امریکہ نے صرف ان ممالک پر پابندیاں لگائی ہیں جنہوں نے چین کے ساتھ توانائی کے معاہدے کر رکھے ہیں تو پھر چین کیوں کر چاہے گا کہ امریکہ افریقہ پر قبضہ کر کے افریقہ جیسے قدرتی ذخائر سے مالا مال براعظم پر کنٹرول حاصل کرے۔

عراق پر امریکی قبضے کے چھ سال مکمل

صبا ممتاز

عراق پر امریکہ کی جارحیت کے چھ سال مکمل ہونے پر بغداد میں ہزاروں عراقی عوام نے امریکی قبضے پر امریکہ کے خلاف مظاہرہ کیا۔ عراق کے رہنما مقتدیٰ الصدر نے عوام سے اپیل کی تھی کہ ۱۹؍اپریل ۲۰۰۳ء کو دارالحکومت پر امریکی قبضے کے چھ سال مکمل ہونے پر قابض امریکیوں کے خلاف احتجاج کیا جائے۔ امریکی قبضے کے چھ سال عراقی عوام پر قہر بن کر ٹوٹے ہیں۔ عراق کا بحران حل ہونے کی بجائے سنگین سے سنگین تر ہوتا چلا گیا اور ہنوز عراق کے حالات درست نہیں۔ بظاہر امریکہ عراق سے انخلاء کا اعلان کر چکا ہے مگر یہ انخلاء ایک دھوکہ ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ قبضے کے چھ سال مکمل ہونے اور امریکہ کے امن وامان اور ترقی کے بلند بانگ دعوے سوائے اعلانات اور بیانات کے کچھ بھی نہیں۔ عراق کے لاکھوں باشندوں کو اب بھی ضروریات زندگی کی سہولیات میسر نہیں۔ لاکھوں عراقیوں کو نہ تو پینے کا صاف پانی دستیاب ہے اور نہ ہی صفائی ستھرائی اور صحت کی سہولیات۔

ریڈ کراس کے مطابق عراق میں انسانی بحران دنیا میں سب سے سنگین ہے۔ بہت سے ایسے علاقے ہیں جہاں کے مکین اپنی ماہانہ تنخواہ کا تیسرا حصہ صرف صاف پانی خریدنے پر صرف کرتے ہیں۔ اگر عراقیوں کی اس روز بروز بگڑتی صورت حال پر توجہ نہ دی گئی تو انسانی بحران اس سے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ عراق میں صحت کی سہولیات اتنی بری کبھی نہیں ہوئیں اور جو سہولتیں دستیاب ہیں وہ بہت مہنگی ہیں۔ لوگوں کی دسترس سے باہر۔ ایسے میں لوگوں کے حالات خراب نہ ہوں تو کیا ہوں۔ عراق کے ہسپتالوں اور صحت کے مراکز کی حالت بھی بہت ناقص ہے۔ تربیت یافتہ عملہ مفقود اور بنیادی ادویات کم ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں میں بستروں کی تعداد بھی کم ہے۔ صحیح طریقے سے مریضوں کی دیکھ بھال بھی نہیں کی جاتی۔ سہولیات بہت کم ہیں۔

کئی دہائیوں کی گزشتہ لڑائیوں اور اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے ستائیس ملین آبادی کے اس ملک میں حالیہ بحران پہلے سے زیادہ سنگین ہو چکا ہے۔ جنگ کے آغاز سے لے کر اب تک بیسیوں ہزار عراقی بشمول مرد خواتین اور بچے غائب ہو چکے ہیں، ان کا کچھ اتہ پتہ نہیں۔ خواتین اور بچوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ ہزاروں عراقی ملکی حالات کے تحت دوسرے ملحقہ ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ ہزاروں مرد قید میں ہیں۔ ان کے علاوہ بصرہ کے نزدیک کیمپ بکا میں اتحادی فوج کے زیر انتظام جیل میں بھی متعدد عراقی قید وبند کی صعوبت برداشت کر رہے ہیں۔ سیکورٹی کی حالت کچھ بہتر ہے مگر بنیادی مسائل اپنی جگہ برقرار ہیں۔ حتیٰ کہ امریکی ادارے پینٹاگون نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ عراق میں اب بھی مقامی سطح پر طاقت اور وسائل کے حصول کی جنگ جاری ہے اور ملک کی سیکورٹی صورتحال میں آنے والی حالیہ بہتری غیر مستحکم، کبھی بھی بدل جانے والی اور ناقابل بھروسہ ہے۔ پینٹاگون نے عراق کی طویل المدت سیکورٹی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ایرانی اثر ونفوذ کو قرار دیا ہے اور الزام عائد کیا ہے کہ ایران عراق کو غیر مستحکم کرنے کا ارادہ رکھنے والے گروہوں کی مالی مدد کر کے انہیں تربیت دینے اور مسلح کرنے میں مصروف ہے۔ پینٹاگون کی رپورٹ میں شیعہ مزاحمتی گروہوں کے لئے ایران کی حمایت کو جاری تشدد کی بنیادی وجہ قرار دیا گیا ہے۔

پر تشدد وارداتوں میں ستر فیصد کمی ضرور آئی ہے لیکن اگر مسائل کا حل نہ کیا گیا تو حالات پلٹا کھا سکتے ہیں۔ عراق سے افواج ہٹانے کے امریکی اعلان کو عراقی گروہوں اور تجزیہ نگاروں نے محض دھوکہ قرار دیا ہے۔ عراق میں ایک اسلامی گروپ کے لیڈروں البغدادی نے کہا کہ ''امریکی صدر بارک اوباما کا فوج ہٹانے کے منصوبے کا اعلان محض ایک دھوکہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ عسکریت پسندوں پر حملوں کی تازہ لہر شروع کرنے کے لئے وقت حاصل کیا جائے۔ قابض ریاست کے سربراہ کا اعلان محض فریب ہے دھوکہ ہے۔ استعماری پسند نے اب ایک نیا طریقہ نکالا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مرحلہ وار واپسی کے بہانے بنائیں گے اور اس طرح عراق کے لوگ ان کے قبضے اور بے عزتی کو مزید تین سال کے لئے قبول کر لیں گے۔'' یہ اعلان صرف اور صرف عراقی عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے ہے۔ ۳۱؍اگست ۲۰۱۰ء کو عراق سے امریکی فوج واپس بلائی جائے گی مگر اس کے بعد بھی امریکہ عراق سیکورٹی معاہدے کے تحت ۳۵ سے ۵۰ ہزار فوجی، عراقیوں کی مدد اور تربیت کے لئے عراق میں رکھے گا۔ ۲۰۱۱ء تک تمام امریکی فوج واپس بلالی جائے گی۔

امریکہ کے صدر بارک اوباما نے عراق پر قبضے کے چھ سال مکمل ہونے پر کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ عراقی اپنے ملک کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ صدارت کا منصب سنبھالنے کے بعد اوباما کا عراق کا یہ پہلا غیر علانیہ اور خفیہ دورہ تھا۔ سیکورٹی کے خدشات کے پیش نظر اس دورے کو خفیہ رکھا گیا۔ عراق کے پانچ گھنٹے کے مختصر دورے پر بغداد کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر پہنچنے کے بعد اوباما سڑک کے ذریعے عراق میں امریکی فوج کے سربراہ جنرل اے اوڈیرنو سے ملاقات کے لئے پہنچے۔ عراق میں امریکہ کے ایک لاکھ چالیس ہزار کے قریب فوجی تعینات ہیں۔ اس موقع پر امریکی صدر نے امریکہ کے جنرل کا شکریہ ادا کیا۔ صدر اوباما نے وکٹری کیمپ میں جمع چھ سو کے قریب امریکی فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''آپ کی مدد سے عراق کو ایک جمہوری ملک بنانا ممکن ہوا ہے۔ اس غیر معمولی کامیابی پر امریکی عوام آپ کے شکر گزار ہیں۔'' امریکی فوجیوں نے اس موقع پر بارک اوباما کا خوش دلی سے استقبال کیا اور نعرے لگائے۔ ''اوباما ہمیں آپ سے پیار ہے'' صدر اوباما نے امریکی فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگلے اٹھارہ ماہ آپ کے لئے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ امریکی فوجی اس سال موسم گرما کے آخر تک عراق کے شہروں سے نکل جائیں اور دو ہزار دس کے اختتام تک اپنے وطن لوٹ جائیں، جب کہ بہت کم تعداد میں فوجی مشیر اور ان کو مدد فراہم کرنے والے چند اراکین دو ہزار گیارہ تک عراق میں رہیں گے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ انتظامات عراق کے حوالے کر دیئے جائیں اور وہ اپنے ملک کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ صدر اوباما نے عراق کے وزیر اعظم نوری المالکی اور عراق کے رہنماؤں سے ملاقات میں واضح طور پر کہا کہ دو ہزار گیارہ تک عراق سے تمام امریکی فوج کا انخلاء مکمل ہو جائے گا۔ امریکہ کے انخلاء کے اعلانات درحقیقت عراق صورتحال پر تشویش زدہ عوام کو مطمئن کرنا ہے ورنہ امریکہ عراق میں کئی مستقل چھاؤنیاں قائم کر چکا ہے۔ اپنی فوج کو وہ سیکوریٹی فورسز یا محافظ دستوں کا نام دے کر ٹھہرانے کے چکروں میں ہے۔ امریکہ عراق کی بربادی کے بعد اب اس کی تعمیر نو کا واویلا کر رہا ہے۔ عراق میں ترقیاتی کاموں کے نام پر اب تک خرچ ہونے والے کل اکیاون ارب ڈالر کا بڑا حصہ فراڈ، زیاں اور غلط استعمال کی نذر ہو گیا ہے۔ تعمیر نو کے لئے ضائع ہونے والے فنڈز کی اس رپورٹ کو ''ہارڈ لیسن'' یا تلخ سبق کا عنوان دیا گیا ہے۔

عراق کے اکیس دورے کرنے والے اسٹیورٹ بوؤن نے اس رپورٹ میں جابجا زیاں، فراڈ اور غلط استعمال کے لفظ استعمال کئے ہیں۔ اس رپورٹ میں بہت سے تلخ حقائق کا انکشاف کیا گیا ہے کہ امریکہ کی حکومت کے پاس نہ وہ ڈھانچہ تھا اور نہ ہی وسائل کہ وہ اتنا بڑا ہنگامی امداد اور تعمیر نو کا منصوبہ شروع کر سکے، جیسا کہ اس نے عراق میں ۲۰۰۳ء میں کیا۔ عراق جنگ میں امریکہ کو اپنے اندازوں سے پچیس گنا زیادہ رقم خرچ کرنا پڑی۔ عراق کی تعمیر نو کے لئے ڈھائی ارب ڈالر کا تخمینہ لگایا گیا تھا، مگر ابتدائی اندازوں سے کہیں زیادہ رقم خرچ کی گئی اور ان پر عمل درآمد بھی مناسب انداز میں نہ ہو سکا۔ فالوجہ میں نکاسی آب کا ایک منصوبہ جسے تین سال قبل مکمل ہو جانا تھا تاخیر کا شکار ہو چکا ہے۔ اور پریشان کن امر یہ ہے کہ اس منصوبہ میں لوگوں کے گھروں سے گندے پانی کو نکاسی آب کے پائپوں سے جوڑنا شامل نہیں تھا۔ عراق پر ہونے والے اخراجات کی تحقیقات کے لئے یہ کمیشن ایک قانون ''وار ٹائم کنٹریکٹنگ'' کے تحت ان خطوط پر بنایا گیا تھا جیسا کہ دوسری جنگ عظیم میں سرکاری پیسہ کے زیاں کا پتہ چلانے کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا۔

امریکہ اپنے تئیں عراق کے حالات کی بہتری کے جتنے مرضی دعوے کرتا رہا، عراق کے حالات منہ بولتی حقیقت ہیں کہ حالات میں امن وسکون اب بھی نہیں ہے۔ عراقی منصوبوں کے انتخابات اور ان کے نتائج نے واضح کر دیا ہے کہ یہ انتخابات امریکی استعمار کے حمایتوں کے تھے۔ ان انتخابات میں ان طاقتوں نے حصہ لیا جو یہاں کے سیاسی عمل میں شریک رہی ہیں اور امریکہ کے خلاف چلنے والوں کو دہشت گرد قرار دیتی ہیں۔ عراق کے انتخابات میں ان لوگوں نے حصہ لیا جو امریکی انتظامیہ کے تیار کئے گئے نقشے کے مطابق سیاسی عمل میں شریک ہیں۔ عراق کے بیشتر شہروں کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، حائل دیواریں کھڑی کر دی گئیں۔ ایک محلے سے دوسرے محلے جانا ایسے ہو گیا جیسے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر، یعنی سرحدی چوکیوں کو عبور کرنا شناختی دستاویز کا ہونا اور امیگریشن چیک کرانا آزادی کے ساتھ نقل وحرکت نہ کرنے پر مجبور، اپنے اپنے محلوں میں قید رہنے پر مجبور، ایسے میں لوگ عراقی شہروں سے نقل مکانی پر مجبور، اپنے اپنے محلوں میں محصور رہنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے شناختی کارڈ ضبط کر لئے گئے اور وہ ووٹ کے حق سے بھی محروم ہو گئے۔ عراق کے شہروں سے ۹۰ لاکھ سے زیادہ لوگ عراق کے حالات سے تنگ آ کر بیرون ملک چلے گئے اور جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اس وقت نہ عراق کے شہری ہیں اور نہ جلا وطنی کی سرزمین کے کیونکہ عراقی حکومت نے ان کے شناختی کارڈ منسوخ کر دیئے اور ان کے نام ووٹر لسٹوں سے نکال دیئے ہیں۔ ان انتخابات نے واضح کر دیا ہے کہ قابض قوتیں ملک کا نظام چلانے میں ناکام ہیں اور گزشتہ چھ سالوں سے یہ ملک کسی انتظامیہ کے بغیر جی رہا ہے۔

امریکی ظلم وستم کے چھ سال مکمل ہونے کے بعد نہ تو حالات پرسکون ہوئے ہیں اور نہ ہی امریکہ کے لئے اس پنڈورا بکس میں سے کچھ برآمد ہوا ہے۔ سوائے قومی مسائل بڑھنے کے۔ گیلپ سروے کے نتائج تو امریکی قبضے کے حوالے سے کچھ خوش کن نہیں، جب کہ امریکی افسران بالا کا کہنا ہے کہ عراقی حکومت اپنے ۱۸ میں سے ۱۷ اہداف کو حاصل کر چکی ہے اور بش حکومت نے ۲۰۰۷ء میں عراق کو ایک محفوظ اور مستحکم ملک بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عراق کی جنگ امریکہ جیت چکا ہے۔ اسپیکر نینسی پلوسی کا امریکی قبضے کے چھ سال مکمل ہونے پر کہنا ہے کہ ان چھ سالوں

باقی صفحہ ۸ پر

امریکہ اپنے تئیں عراق کے حالات کی بہتری کے جتنے مرضی دعوے کرتا رہا، عراق کے حالات منہ بولتی حقیقت ہیں کہ حالات میں امن وسکون اب بھی نہیں ہے۔ عراقی منصوبوں کے انتخابات اور ان کے نتائج نے واضح کر دیا ہے کہ یہ انتخابات امریکی استعمار کے حمایتوں کے تھے۔ ان انتخابات میں ان طاقتوں نے حصہ لیا جو یہاں کے سیاسی عمل میں شریک رہی ہیں اور امریکہ کے خلاف چلنے والوں کو دہشت گرد قرار دیتی ہیں۔

ایرانی صدر کی حق گوئی

جنیوا میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام نسل پرستی کے خلاف بین الاقوامی کانفرنس میں ایران کے صدر احمدی نژاد کی حق گوئی سے ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور یہودیوں کے پشت پناہ یورپی ممالک نے کانفرنس کا بائیکاٹ کردیا۔ احمدی نژاد نے خطاب کرتے ہوئے اسرائیل کو ظالم اور نسل پرست قرار دیا اور اس میں نہ کوئی مبالغہ ہے اور نہ ہی کوئی خلاف حقیقت بات۔ نسل پرستی کے خلاف مذکورہ کانفرنس کے آغاز سے پہلے ہی امریکہ، اسرائیل اور کئی مغربی ممالک اس کا بائیکاٹ کرچکے تھے۔ یہاں تک ہوا کہ کانفرنس سے پہلے جب سوئٹزر لینڈ کے صدر نے ایرانی صدر احمدی نژاد سے ملاقات کی تو اس پر اسرائیل نے برہم ہوکر اپنے سفیر کو سوئٹزر لینڈ سے واپس بلوالیا۔ یہ ایرانی صدر کی ۲۰۰۵ء میں منصب سنبھالنے کے بعد کسی مغربی ملک کے سربراہ سے پہلی ملاقات تھی۔ اسرائیل نے اقوام متحدہ کے صدر بان کی مون کی احمدی نژاد سے ملاقات کو بھی قابل افسوس قرار دیا۔ وجہ یہ ہے کہ ایرانی صدر کھل کر یہ کہہ چکے ہیں کہ اسرائیل کا ہولوکاسٹ کا دعویٰ محض ایک ڈراما ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہودیوں نے اس کا زبردست پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی سربراہی میں جرمنوں نے ۶۰ لاکھ یہودیوں کا قتل عام کیا تھا اور وہ بھی انہیں بھٹیوں میں جلا کر۔ احمدی نژاد ہولوکاسٹ کو فرضی داستان کہنے والے اکیلے نہیں ہیں۔ متعدد امریکی اور یورپی مورخین اور محققین دلائل سے یہ ثابت کرچکے ہیں کہ ہولوکاسٹ کی کوئی اصل نہیں ہے۔

بنیادی نکتہ یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر پورے یورپ میں ۶۰ لاکھ یہودی نہیں تھے اور اگر اتنے تھے تو سب کے مارے جانے کے بعد باقی کہاں سے آئے؟ جن بھٹیوں (کنسنٹریشن کیمپس) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں لاکھوں یہودیوں کو زندہ جلا کر راکھ کردیا گیا ہے، محققین نے ان کے بارے میں بھی یہ ثابت کیا ہے کہ ان بھٹیوں میں اتنی گنجائش اور صلاحیت ہی نہیں تھی۔ یہ بات تو ہٹلر کے وزیر گوئبلز نے کہی تھی کہ اتنا جھوٹ بولو کہ وہ سچ سمجھا جانے لگے لیکن اس پر عمل یہودیوں نے کیا اور اپنی مظلومیت کا پرچار کرکے فائدے حاصل کئے۔ ہالی وڈ پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور یورپ وامریکہ کا بیشتر میڈیا بھی ان کے تسلط میں ہے چنانچہ ہر سطح پر رنگ آمیزی کی گئی۔ اتفاق سے معیشت پر بھی یہودیوں کا غلبہ ہے جس کے بارے میں برسوں پہلے علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ''فرنگ کی جان پنجہ یہود میں ہے۔'' پنجے کی گرفت اور سخت ہوگئی ہے اور یورپ کے بعد امریکہ بھی اسی شکنجے میں ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ یورپ کے کئی ممالک میں ہولوکاسٹ پر تنقید کرنے یا اسے غلط قرار دینے پر سزا ہے اور کچھ محققین یہ سزا بھگت بھی رہے ہیں۔ ایسے میں کسی بین الاقوامی فورم پر کھل کر یہ کہنا کہ ہولوکاسٹ کا کوئی وجود نہیں، اسرائیل اور اس کے حمایتیوں کو بھڑکانے کے لئے کافی تھا۔ اب گزشتہ پیر کو نسل پرستی کے خلاف کانفرنس میں احمدی نژاد نے صہیونیت اور اس کے سرپرستوں پر ایک اور بھرپور حملہ کردیا۔ کانفرنس نسل پرستی کے حوالے سے تھی چنانچہ احمدی نژاد نے اسرائیل کو سب سے بڑا نسل پرست قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۸ء میں فلسطین کے علاقہ پر قبضہ کرکے ایک مکمل نسل پرست حکومت قائم کی گئی جو ظالم بھی ہے۔ یورپ اور امریکہ سے یہودیوں کو اسرائیل بھیجا گیا تاکہ مقبوضہ فلسطین میں ایک نسل پرست حکومت قائم کی جائے۔ اس موقع پر کئی مغربی ممالک نے تو بائیکاٹ کیا لیکن جن ممالک کے نمائندے کانفرنس میں موجود رہے انہوں نے احمدی نژاد کو زبردست خراج تحسین پیش کیا مگر اقوام متحدہ کے صدر بان کی مون نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ احمدی نژاد نے تفریق کے بیج بو کر کانفرنس کے اصل مقصد کو تباہ کردیا۔ بان کی مون نے احمدی نژاد کے خیالات کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایرانی صدر نے اس پلیٹ فارم کو تقسیم اور اشتعال کے لئے استعمال کیا۔ کانفرنس سے جو مقصد حاصل کرنا مقصود تھا ایرانی صدر نے اس کے بالکل خلاف بات کی۔

اقوام متحدہ کے صدر بان کی مون کا یہ تبصرہ بجائے خود حیرت انگیز ہے لیکن اقوام متحدہ خود امریکہ اور بالواسطہ طور پر اسرائیل کے پنجے میں پھنسی ہوئی ہے اور اقوام متحدہ کے صدر کو اس تنظیم کے لئے فنڈز درکار ہوتے ہیں۔ ایسے میں وہ کسی ایسی بات کو کیسے پسند کرسکتے تھے جس سے امریکہ ناراض ہو۔ لیکن مذکورہ کانفرنس کس لئے بلائی گئی تھی؟ کیا صرف اس لئے کہ نسل پرستی کے خلاف تقاریر کی جائیں اور سب اپنے اپنے گھروں کو جائیں؟ نسل پرستی کی مذمت تو سبھی کرتے ہیں مگر بین الاقوامی پلیٹ فارم سے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ کون کون سے ممالک اور اقوام نسل پرست ہیں اور اگر ہیں تو ان کی مذمت کی جانی چاہئے۔ یہی اصل مقصد ہے۔ مگر خرابی یہ ہے کہ اس معیار پر اُترنے والے ممالک میں سرفہرست اسرائیل ہی ہے جس کا قیام ہی نسل پرستی کی بنیاد پر عمل میں آیا اور وہ اسی راستے پر گامزن ہے۔

فلسطین کے علاقہ پر قبضہ کرکے یہودیوں کو بسانے اور ان کی ایک ریاست قائم کرنے کا اصل مقصد ہی یہ تھا کہ عربوں کے سر پر ایک ایسی قوم کی تلوار لٹکا دی جائے جو پہلے دن سے مسلمانوں کی دشمن ہے اور جس کی سازشوں کا آغاز مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام سے ہوگیا تھا۔ اس سازش کا سرغنہ برطانیہ تھا۔ بعد میں امریکہ نے اسرائیل کو اپنی تولیت میں لے لیا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہولوکاسٹ میں اگر کچھ بھی سچائی ہے یا یہودیوں پر ظلم ہوا ہے تو وہ مسلمانوں نے نہیں عیسائیوں نے کیا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے بیت المقدس میں کیا تھا۔ اس کی سزا بھی عیسائیوں کو ملنی چاہئے تھی نہ کہ مسلمانوں کو۔

یورپ اور براعظم امریکہ میں بہت بڑے بڑے علاقے غیر آباد بھی تھے اور زرخیز بھی مثلاً برازیل، آسٹریلیا وغیرہ لیکن یہودیوں کی سازشی سرشت اور نسل پرستی کے ''اوصاف'' عرب مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا تھے۔ اسرائیل کے قیام کے بعد سے اب تک اسرائیل نے نسل پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کسی پڑوسی کو چین سے نہیں رہنے دیا۔ لیکن اس کے ہر ظلم کی تائید امریکہ نے کی یہاں تک کہ سلامتی کونسل کے ۱۵ ارکان میں سے ۱۴ نے بھی اس کی مذمت میں قرارداد منظور کی تو امریکہ نے حق استرداد استعمال کرکے قرارداد کو بے اثر کردیا۔ اس حوالے سے بان کی مون نے جو کچھ کہا انہیں یہی کہنا چاہئے تھا لیکن اقوام متحدہ کے صدر کو کبھی کبھی مصلحتوں کے حصار سے باہر بھی نکل آنا چاہئے۔ ان سے زیادہ یہ حقیقت کون جانتا ہوگا کہ اسرائیل نے اقوام متحدہ کی متعدد قراردادوں کو پرکاہ کے برابر بھی اہمیت نہیں دی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بوسنیا میں سربوں نے نسل پرستی کی بنیاد پر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ حکومت فرانس ایرانی صدر کی تقریر کی مذمت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ مذکورہ کانفرنس کا مقصد بین الاقوامی برادری کو ہر قسم کی نسل پرستی کے خلاف متحد اور متحرک کرنا تھا لیکن احمدی نژاد نے سارا معاملہ بگاڑ دیا۔ کیا خوب! کیا نسل پرستی کے خلاف اتحاد اور تحرک کے لئے پہلے یہ ضروری نہیں کہ مجرموں کا تعین کیا جائے۔

(جسارت، کراچی)

ہم سدا حق کے پاسبان رہے

محمد سرور علی افسر

باطل پرستی اور حق پرستی، دروغ بیانی اور سچائی، مکر وفریب اور حقانیت، واقفیت اور عدم واقفیت، روشنی اور تاریکی اندھیرے اور اُجالے ایک دوسرے کی ضد تصور کیے جاتے ہیں۔ سماج معاشرہ، سوسائٹی اور مجالس وغیرہ میں ان ہی چیزوں کو پیش نظر رکھ کر انسان کے چال وچلن، عادات واطوار، نشست برخواست، بات چیت، اخلاق وآداب، تہذیب وتمدن، کلچر اور ثقافت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہر دور میں مندرجہ بالا صفات کے افراد نظر آتے ہیں۔ ایسے افراد جو حق شناسی کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہوں۔ وہ حق وصداقت کے دامن کو تھامے رہتے ہیں۔ اس کے برخلاف باطل فکر ونظر کے حاملین، فاسدِ خیالات کے ترجمان، مادہ پرستی اور مفاد پرستی کے رسیا، حق پرستی کی پاسبانی سے انحراف کرنے والے صرف چند روزہ زندگی کے عیش وآرام، راحت ومسرت کو ہی اوّلیت دیتے ہیں جب کہ یہ دنیا عارضی ہے۔ ہر ایک نفس کو اس دنیا سے رخصت سفر باندھنا ہے۔ اس کے اعمال کا دارومدار فکر آخرت اور رضائے الٰہی پر منحصر ہے۔ جو بھی شخص اس تصور کا حق پرستانہ نقطہ نظر سے جائزہ لے گا وہی کامیاب وکامران ہوگا۔

مگر اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ حق پرستی حق شناسی اور حقیقت بیانی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ خار دار جھاڑیوں سے مزین بستر ہے۔ اس پرخار وادی سے گزرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ وہی افراد آسانی سے گزر سکتے ہیں جو راہ میں حائل رکاوٹوں، مصیبتوں، مشکلوں پریشانیوں، مصائب وآلام، جبر واستبداد، ظلم وستم، ایذا رسانیوں کا مقابلہ ثابت قدمی اور پامردی سے کرتے ہوں تب ہی انہیں منزل مقصود نصیب ہوتی ہے۔ مامون رشید کے دور خلافت میں بغداد علوم وفنون کا سرچشمہ بنا ہوا تھا۔ نت نئے افکار اور خیالات، یونانی فلسفیوں کی تعلیمات کے نتیجے میں جنم لے رہے تھے۔ ایمانیات کے مقابلے میں عقلیات کو فروغ حاصل ہورہا تھا۔

فرقہ معتزلہ کے افراد سلطنت عباسیہ کے اہم اہم شعبوں پر قابض ہوچکے تھے۔ اس طرح ملک کی فکری اور سیاسی رہنمائی ان ہی کے ہاتھوں میں آگئی تھی ''فتنہ خلق قرآن'' ان ہی لوگوں کے عقلی اختراعات کا نتیجہ تھا۔ خلیفہ مامون رشید بھی اس فتنہ کا شکار ہوگیا تھا۔ ایک شاہی فرمان کے ذریعہ اس نے یہ منادی کرادی کہ اگر کوئی شخص ''قرآن خلق ہے یا نہیں'' اس کا تشفی بخش جواب نہ دے سکے تو اس کو ظلم وستم اور جبر واستبداد کی بھٹی سے گزار کر زندان کے حوالے کردیا جائے گا۔ جب کہ خلیفہ کا مطالبہ قرآن سے ثابت ہے نہ ہی احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں واضح ہے۔ لوگ اس فتنے سے بچنے کے لئے نقل مقام کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ تشفی بخش جواب نہ دینے کی صورت میں کئی علماء کرام اور حق پرستوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ لیکن بعض عزم ویقین کے عظیم پیکر اس فتنے کو حق کی روشنی میں رد کرنے پر تُلے ہوئے تھے ان ہی مردانِ حق میں حضرت امام احمد بن حنبل محدثین کے امام شریعت وسنت کے امین بھی شامل تھے مامون رشید کے انتقال کے بعد مقیم باللہ عباسی تخت پر جلوہ افروز ہوا ہے۔ اس کے دور میں ''فتنہ خلق قرآن'' میں اور شدت پیدا ہوگئی تھی۔ امام احمد بن حنبلؒ کو پابہ زنجیر دربار میں لایا گیا۔ دربار کی شان وشوکت اور اُس کا طمطراق اوج کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اس سے قبل امام احمد بن حنبلؒ کو ظلم وستم اور جبر واستبداد کی منزلوں سے گزارا گیا تھا مگر انہوں نے اس وقت بھی حق سے انحراف نہیں کیا۔ ایسے ہیبت ناک ماحول میں آپ سے سوال کیا جاتا ہے کہ ''قرآن'' خلق ہے یا نہیں۔ اس دوران آپ پر کوڑے برسائے جاتے ہیں جسم مبارک لہولہان ہوجاتا ہے مگر ہر وقت آپ یہی کہتے جاتے تھے۔ قرآن حکیم اللہ کا نازل کردہ پاکیزہ کلام ہے۔ رسول اللہ کی سنت سے کوئی دلیل لاؤ تب ہی میں اس کا جواب دوں گا۔ جلاد کوڑے برساتے برساتے تھک جاتے ہیں مگر عزیمت واستقامت کی عظیم شخصیت چٹان کی طرح اپنے موقف پر جم جاتی ہے اور عزم واستقلال کے ساتھ جواب دیتے ہیں جو چیز اللہ اور اس کے رسولؐ نے نہیں بتلائی میں کیسے بتلا سکتا ہوں؟ معتصم باللہ آپ کے آہنی عزم اور ایمانی حرارت سے متاثر ہوتا ہے دربار میں ایک سناٹا چھا جاتا ہے اور دربار کے در ودیوار سے یہ صدائیں ٹکراتے ہوئے بازگشت کی طرح گونجتی ہیں:

''ہم سدا حق کے پاسبان رہے''

●●

بقیہ: امریکی ایٹمی ڈاکٹرن میں تبدیلی

منصوبے میں شامل تھا جو روس اور چین کے خلاف مستقبل میں بیس کیمپ کے طور پر استعمال ہوسکیں۔

نوے کی دہائی کے شروع میں جس وقت سوویت یونین کی تحلیل کا عمل اختتام کو پہنچ چکا تھا، اس وقت امریکی صدر جارج بش سینئر کے وزیر خارجہ جیمز بیکر نے سابق سوویت یونین کی وسطی ایشیائی ریاستوں میں امریکی اڈوں کے قیام کے لئے طویل سفارت کاری مہم کا آغاز کیا تھا، جس کے نتیجے میں ان ریاستوں میں امریکہ نے متعدد عسکری اڈے قائم کئے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب سوویت یونین کی تحلیل کے بعد روس کی معیشت زوال پذیر تھی اور اسے امریکہ اور مغربی یورپی ممالک سے قرضوں کی شدید ضرورت تھی۔ سابق روسی صدر یلسن کے دور تک امریکہ اور اس کے صہیونی مالیاتی اداروں نے روس کو مزید بکھرنے سے اس لئے بچایا کہ کہیں سابق سوویت یونین کا جوہری ملبہ مغربی مفادات کے خلاف نہ استعمال ہوسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ روس کی معدنی دولت جس میں گیس سرفہرست ہے سے استفادہ کیا جاسکے۔ اسی دوران روس داخلی طور پر ریاستی انتشار کا شکار بھی ہوا اور ایک مرتبہ روسی کمیونسٹوں نے دوبارہ سر بھی اٹھایا جسے صدر یلسن نے امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک کی مدد سے دبا دیا۔ لیکن اس صورت حال نے ایک بات واضح کردی تھی کہ روس میں کسی قوم پرست لیڈر کا سامنے آنا ضروری ہے۔ اسی دوران صدر یلسن نے بیماری کے بعد روس کی باگ ڈور ولادیمیر پوتن کے سپرد کردی، جس نے ایک زیرک لیڈر کی طرح نہ صرف روس کو بیرونی قرضوں سے نجات دلائی بلکہ روس کے گیس اور تیل کے ذخائر کو دوبارہ سے قومیالیا، جس کی وجہ سے سرمایہ دار امریکہ اور یورپ کے مفادات پر کڑی ضرب لگی۔ روس کے معاشی زوال کو روکنے میں چین نے بھی اہم مگر خاموش کردار ادا کیا، کیونکہ چین جس رفتار سے اقتصادی ترقی کی منزلیں طے کررہا تھا اسے امریکہ اور مغرب کے سامنے ایک بھرپور دفاعی دیوار کی ضرورت تھی، جو طاقتور روس کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ ان حالات کو سنبھالا دینے کے لئے امریکہ کا مشرق وسطیٰ اور افغانستان میں پھنس جانا دونوں ملکوں یعنی روس اور چین کے لئے مفید ثابت ہوا۔ اس سے ایک طرف امریکہ کو اقتصادی بحران کی شکل میں زبردست جھٹکا لگا تو دوسری جانب اس کی عسکری استعداد میں خامیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی میسر آگیا۔

یہی وجہ ہے کہ جس وقت امریکہ نے افغانستان میں طالبان کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے افغانستان پر چڑھائی کی تو اس وقت روس اور چین کی جانب سے ایسا کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا، جس کی ماضی میں توقع کی جاسکتی تھی۔ دوسرے ان دونوں ملکوں نے امریکہ کے خلاف برسرپیکار طالبان مجاہدین کی کسی خفیہ امداد سے بھی گریز کیا، کیونکہ روسی اس بات سے واقف تھے کہ افغانستان ایک ایسی دلدل ہے جہاں کسی بھی سپر پاور کو مقامی مزاحمت کے سامنے بالآخر گھٹنے ٹیکنے ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں مقامی مزاحمت کو اگر خارجی امداد میسر نہ ہو تو بھی وہ جنگی حکمت عملی میں تبدیلی پیدا کرکے سست مگر موثر مزاحمت کا سلسلہ جاری رکھتی ہے۔ امریکیوں نے نہ صرف افغانستان پر قبضہ جما کر اپنے اقتصادی پاؤں پر کلہاڑی ماری بلکہ جب اسرائیل نے محسوس کیا کہ امریکی جلد اپنی اس غلطی سے آگاہ ہوجائیں گے، تو انہوں نے صہیونی لابی کے ذریعے امریکیوں کو عراق میں دھکیلنے کی سازش شروع کردی۔ امریکی صہیونی بینکرز اور اسلحہ ساز کمپنیوں کو اس سے تو بہت فائدہ ہوا لیکن امریکی اقتصادیات کا جنازہ نکل گیا۔ امریکہ کی رائے عامہ کو اس بات کا اندازہ ۲۰۰۵ء میں اُس وقت ہونا شروع ہوا جب ان کے کانوں میں آنے والے اقتصادی بحران کی خبریں پڑنا شروع ہوئیں۔ امریکی بینکرز افغانستان اور عراق کے نام پر جو کھیل سکتے تھے وہ انہوں نے کھیل لیا تھا، لیکن اس کے نتائج ان کی توقعات کے برعکس تھے۔ برطانوی افغانستان اور عراق کا تلخ تجربہ رکھتے تھے لیکن لندن کا ''صہیونی بینکنگ زون'' جو درحقیقت امریکی اقتصادیات کو بھی ڈیل کرتا ہے، اس سلسلے میں کسی قسم کی تاریخی غلطی سے سبق سیکھنے کے موڈ میں نہیں تھا، جس کی وجہ سے لندن بینکنگ زون کے گماشتے ٹونی بلیئر نے برطانوی عوام کو گمراہ کرنے کے لئے دہشت گردی کا نام نہاد پروپیگنڈا کیا اور امریکی دم چھلے کے طور پر افغانستان اور عراق کی دلدل میں چھلانگ لگادی۔ یہ صورتحال روس اور چین کے لئے ''آئیڈیل'' تھی، کم ازکم آٹھ برس تک امریکہ اور برطانیہ روس اور چین کے خلاف کسی بھی قسم کی سیاسی اور سفارتی محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ لیکن ۲۰۰۷ء کے آخر تک صہیونی دسیسہ گروں کی عالمی دہشت گردی کی وجہ سے دنیا ایک ایسے اقتصادی بحران کا شکار ہوئی کہ اس سے نکلنے کے لئے مزید بیس برس درکار ہوں گے اور وہ بھی اس صورت میں کہ اگر دنیا امن وامان کا گہوارہ بنی رہے۔

وسطی ایشیا میں عسکری اڈوں کا کھیل تبدیل ہوچکا ہے۔ برزنسکی کے شاگرد جیمز بیکر نوے کی دہائی میں بچھائی جانے والی فوجی اڈوں کی بساط لپیٹ دی گئی ہے۔ روس نے اس سلسلے میں وسطی ایشیائی ریاستوں کو بھاری مالی امداد سے نوازا ہے، جس کی بنا پر ان ریاستوں میں جہاں جہاں بھی امریکی عسکری اڈے موجود تھے، انہیں ختم کرنے کے لئے مقامی حکومتوں نے واشنگٹن کو باقاعدہ نوٹس دینا شروع کردیئے۔ یہ روس کا خاموش کھیل ہی ہے جس کی بنا پر کانگریس میں پیش کی جانے والی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جنوبی افغانستان پر قابو پانے کے لئے ناٹو افواج ناکافی ہیں۔ یہ صورتحال ظاہر کررہی ہے کہ ماسکو اور واشنگٹن کے درمیان افغانستان کے معاملے میں نیا کھیل شروع ہوچکا ہے۔ اس سلسلے میں روس نے سات وسطی ایشیائی ممالک کی کامن ویلتھ تشکیل دے کر انہیں امریکی اڈوں سے نجات کی راہ دکھائی۔ فروری کے مہینے میں روس اور ان ریاستوں کی مشترکہ کانفرنس میں مشترکہ فوج کے قیام اور دہشت گردی کے خلاف جنگ اور علاقے میں جرائم کی بیخ کنی کے لئے فیصلے کئے گئے تھے۔ اس کے علاوہ روسی صدر دیمتری میدیدوف نے اس بات کا بھی اعلان کیا تھا کہ روس اور ان ممالک کے درمیان ''سریع الحرکت'' فوج کے قیام کے حوالے سے بھی ہم آہنگی پیدا ہوچکی ہے۔ پولینڈ میں امریکی میزائل شیلڈ کا جواب روس نے روسی کامن ویلتھ کی شکل میں دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس کے خلاف نیا امریکی ایٹمی ڈاکٹرن ایک نئی سرد جنگ کا آغاز ثابت ہوسکتا ہے۔

●●

بنام جملہ ارکان حلقہ چھتیس گڑھ

مرکز جماعت اسلامی ہند- قیم جماعت جناب نصرت علی کے دفتر سے ۲۸ اپریل کو حلقہ چھتیس گڑھ کے ارکان کے نام جاری ہونے والے ایک سرکلر میں یہ کہا گیا ہے کہ ریاست چھتیس گڑھ کی ایک مستقل تنظیمی حلقہ کی حیثیت میں تشکیل کے بعد الحمدللہ وہاں کے امیر حلقہ کا تقرر عمل میں آچکا ہے۔ اب میقات رواں کی بقیہ مدت کے لئے اس حلقہ کی مجلس شوریٰ کا انتخاب پیش نظر ہے، جس کی تعداد سات متعین کی گئی ہے۔ وراہ کرم دستور جماعت کی دفعہ ۴۹ کو ملحوظ رکھ کر اپنے حلقہ سے سات ایسے ارکان جماعت کے نام تحریر فرمائیں جنہیں آپ حلقے کی مجلس شوریٰ کے لئے موزوں سمجھتے ہوں۔ آپ کی رائے زیادہ سے زیادہ ۲۵ مئی ۲۰۰۹ء تک لازماً مرکز کو موصول ہوجانی چاہئے۔ واضح ہو کہ اس کے بعد موصول ہونے والی رائیں شمار نہیں کی جاسکیں گی۔

بقیہ: پولیس اور مسلمانوں کے مابین

پسند اور امن پسند لوگ بڑی تعداد میں ہیں۔ نظم حکومت ابھی اتنا خراب نہیں ہوا ہے کہ اس کی اصلاح نہ کی جاسکے۔ آج بھی انتظامیہ، پولیس اور عدلیہ میں بڑی تعداد اچھے لوگوں کی ہے۔ سیاست میں بھی اچھے لوگ پوری طرح مفقود نہیں ہوئے ہیں۔ ایمانداری سے مسلسل کوشش کی جائے تو حالات یقیناً بدلیں گے اور اللہ نے چاہا تو ضرور بدلیں گے۔

ایک مضبوط وامن وانصاف پر مبنی بھارت کی تعمیر کے لئے ضرورت ہے کہ باہمی اعتماد اور مل جل کر کام کرنے کا رجحان پروان چڑھے اور اس کے لئے مسلسل باہمی مذاکرات سے بہتر اور کوئی طریقہ میری نگاہ میں نہیں ہوسکتا۔

●●

مدارس میں اسلامی معاشیات کی تعلیم

نئی دہلی- ''اسلام بہترین عادلانہ نظام معاشیات پیش کرتا ہے۔ اسے اپنا کر دولت کی صحیح بازیافت اور درست تقسیم کی جاسکتی ہے۔ ضرورت اسلامی فلسفہ معاشیات پیش کرنے والے ماہرین کی ہے جس کی تکمیل مدارس دینیہ کے نصاب میں معاشیات داخل کرنے سے ہوسکتی ہے۔ ان خیالات کا اظہار مفتی محمد ارشد فاروقی سکریٹری مرکزی جمعیۃ نے جن پتھ ہال کی میٹنگ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ دینی مدارس کتاب البیوع کے عنوان سے معاشیات پڑھاتے ہیں لیکن تطبیق اور نئی اصلاحات سے عدم واقفیت کی وجہ سے اس سے فائدہ اٹھانا مشکل ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ دور میں معاشیات کے لئے بنکنگ سسٹم ریڑھ کی ہڈی ہے اور اسلامی بنکنگ سسٹم یوروپ میں بھی مقبول ہورہا ہے اس لئے ایسے افراد وماہرین کا تیار کرنا مسلم امت کی ذمہ داری ہے جو فلسفہ اسلام سے ان معاملات میں بھرپور واقفیت رکھتے ہوں۔

قیدیوں کے ساتھ ناروا سلوک

لکھنؤ- دہشت گردی کے نام پر لکھنؤ جیل میں بند مسلم نوجوانوں سے ان کے سرپرستوں نے گزشتہ دنوں ملاقات کی۔ قیدیوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ کے تعلق سے کہا کہ ان کا رویہ مسلم ملزموں کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔ جیل مینول کے مطابق ان کے ساتھ سلوک نہیں کیا جارہا ہے۔ ملزمین کو ایک چھوٹی سی سیل میں مسلسل ۲۰-۲۳ گھنٹہ بند رکھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی صحت کافی متاثر ہے۔ بیمار ہونے پر مناسب طبی سہولیات بھی فراہم نہیں کی جاتیں۔ جیل سپرنٹنڈنٹ کے حکم کے مطابق ملزمین کو صرف ایک لنگی ایک چادر اور ۲ جوڑے کپڑے رکھنے کی اجازت ہے۔ پڑھنے کے لئے قرآن مجید کے علاوہ ایک کتاب کی اجازت ہے۔ ملزمین کو اپنے پاس قلم، کاغذ رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے گھر خط نہیں لکھ سکتے۔ جیل حکام کے حکم پر ملزمین نے اپنا سامان (کپڑے، چادر، لنگی) بھی اپنے سرپرستوں کو واپس کردیا ہے۔ سرپرستوں نے حکومت سے جیل سپرنٹنڈنٹ کے نامناسب رویہ کی جانچ کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی اپیل کی ہے کہ ملزمین کے ساتھ جیل مینول کے مطابق سلوک کیا جائے۔

مشرق وسطیٰ میں عدم استحکام کا ذمہ دار اسرائیل ہے/ چین

بیجنگ- چین کے وزیر خارجہ یانگ جیہ چی نے غزہ پر غاصب صہیونی فوجیوں کے حملوں کو مشرق وسطیٰ میں بحران کی شدت اور عدم استحکام کا باعث قرار دیا ہے، چین کے وزیر خارجہ نے مشرق وسطیٰ کے دورے سے واپسی پر بیجنگ میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ غزہ پٹی میں گزشتہ دسمبر میں صہیونی حکومت کے حملوں میں بڑے پیمانے پر جانی ومالی نقصان ہوا ہے اور یہ مشرق وسطیٰ میں عدم استحکام کا باعث بنا ہے۔ چین کے وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ اگر مشرق وسطیٰ کا مسئلہ بنیادی طور پر حل نہ ہوگا تو وہاں امن قائم نہیں ہوگا۔ چین کے وزیر خارجہ نے علاقے میں امن واستحکام بحال کرنے اور مستقل فلسطینی حکومت کی تشکیل کو مشرق وسطیٰ کے لئے سب سے اہم قدم قرار دیا۔

ایران تمام ملکوں کیساتھ دوستانہ تعلقات کا خیر مقدم کرتا ہے/ ایرانی صدر

تہران- اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر نے کہا ہے کہ تہران پوری دنیا میں امن کا خواہاں ہے۔ ایرانی صدر محمود احمدی نژاد نے اے بی سی ٹی وی کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا کہ ان کا ملک ملکوں کے درمیان انصاف اور دوستی پر مبنی عالمی تعلقات کا خواہاں ہے اور جہاں بھی دشمنانہ تعلقات دوستی میں تبدیل ہوئے ہیں وہ اسلامی جمہوریہ ایران کے لئے باعث مسرت ہوتے ہیں۔ صدر احمدی نژاد نے گزشتہ انتیس برسوں میں ایران کے خلاف امریکہ کی دشمنانہ پالیسیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایران کے ساتھ دشمنی ختم کرنے کے نئی امریکی حکومت کے رویے کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ توقع تھی کہ امریکی صدر اوباما جنیوا کانفرنس میں شریک ہوں گے اور نسل پرستی کی کھل کر مذمت کریں گے، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔

واشنگٹن میں سوڈان کیخلاف احتجاجی مظاہرہ

واشنگٹن- واشنگٹن میں امریکی پولیس نے امریکی کانگریس کے ایسے پانچ ارکان کو گرفتار کرلیا ہے جو سوڈان کے سفارت خانے کے باہر دارفر میں انسانی مصائب کی صورت حال پر احتجاج کررہے تھے۔ ان پانچوں ارکان کو احتجاجی مظاہرے کا اہتمام کرنے والے دو افراد کے ساتھ ۲۷ اپریل کی صبح اس وقت حراست میں لے لیا گیا جب انہوں نے پولیس کے حکم پر منتشر ہونے سے انکار کردیا تھا۔ کانگریس کے جو پانچ ارکان گرفتار کئے گئے ان میں ڈونا ایڈورڈز، کیتھ ایلی سن، جان لنسٹی، جم میک گورن اور لن وولسے شامل ہیں ان تمام ارکان کانگریس کا تعلق ڈیموکریٹک پارٹی سے ہے اور یہ امریکی ایوان نمائندگان کے رکن ہیں۔ واضح رہے کہ کیتھ ایلی سن امریکی ایوان نمائندگان میں پہلے مسلمان رکن ہیں۔ مظاہرین سوڈانی حکومت سے یہ مطالبہ کررہے تھے کہ وہ تیرہ غیر ملکی امدادی تنظیموں کو جنگ سے تباہ حال دارفر کے علاقے سے نکال دینے کا حکم واپس لے۔ پچھلے مہینے جب بین الاقوامی فوجداری عدالت یا آئی سی سی نے سوڈان کے صدر حسن عمر البشیر کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا تھا تو انہوں نے ان تنظیموں کو ملک سے نکال دیا تھا۔ واضح رہے کہ عرب ملکوں نے عالمی عدالت کے اس حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ آئی سی سی نے سوڈانی صدر پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے دارفر میں شہریوں کے خلاف قتل، جنسی تشدد اور دوسرے جرائم کی مہم کا انتظام کیا تھا۔ اور اس بنیاد پر ان کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کردیا تھا۔ مغربی ممالک اس بنا پر انہیں گرفتار کرنے پر زور ڈال رہے ہیں۔

افغان صدر حامد کرزئی دوبارہ الیکشن لڑیں گے

کابل- افغان صدر جناب حامد کرزئی نے اس بات کی تصدیق کردی ہے کہ وہ دوبارہ الیکشن لڑیں گے۔ واضح رہے کہ اس سلسلہ میں ابھی تک غیر یقینی کی صورت حال تھی، انہوں نے پیر کے روز (۲۷ اپریل کو) یہ اعلان کیا کہ وہ جلد ہی صدر اور نائب صدر کے منصب کے لئے اپنے امیدواروں کے کاغذات داخل کردیں گے۔ یاد رہے کہ حامد کرزئی ۲۰۰۱ء میں افغانستان کے صدر بنائے گئے تھے۔ مگر ان پر بدعنوانی کا الزام ہے، جس کی وجہ سے اندرونی ملک اور مغربی ملکوں میں ان کی حمایت میں بہت کمی آگئی ہے، ملک کے اندر ان کی مخالفت بھی ہورہی تھی۔

یاد رہے کہ افغانستان میں اس سال صدارتی انتخاب ہونے والا ہے، صدر کرزئی کی مدت پوری ہوچکی ہے، صدارتی انتخاب کی تاریخ کا اعلان کیا جاچکا ہے اس کے لئے ۲۰ اگست کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔ دریں اثنا افغانستان حکومت نے اعلان کیا ہے کہ وہ سالانہ فوجی پریڈ کو منسوخ کررہی ہے۔ صدر کرزئی نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ اس کی رقم زلزلے کے متاثرین کے لئے استعمال کی جائے گی۔ واضح رہے کہ پچھلے سال فوجی پریڈ کے دوران افغان مزاحمت کاروں نے حملہ کرکے صدر کرزئی کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ اس میں بال بال بچ گئے تھے البتہ اس میں تین افراد ہلاک ہوگئے تھے۔

کیف نوگانوی ''خونِ جگر'' کی روشنی میں

ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی
صدر ادارہ ادب اسلامی ہند

گزشتہ صدی نے ابھی اپنا آدھا سفر طے نہیں کیا تھا اور ابھی اقبال کی وفات کو چند سال ہی گزرے تھے کہ اُردو ادب پر اشتراکیت کے سیاہ بادل چھاگئے۔ مارکس کا یہ فقرہ کچھ لوگوں کے ذہن ودماغ میں رچ بس گیا کہ مذہب افیون ہے جو انسان کی آزادی فکر اور جولانی تخلیق کو سلب کرلیتی ہے اور انسانوں کو طبقات میں بانٹ کر اس کے ارتقاء کی راہ مسدود کردیتی ہے۔ جوشؔ جیسے شاعر بھی خدا سے اس لہجہ میں مخاطب ہوئے:

شبیر حسین خاں نہیں لیتے بدلہ
شبیر حسن خاں سے بھی چھوٹا ہے خدا

اور مجروح جو کافی باشعور اور اپنی تہذیبی قدروں کے رمز شناس تھے ممبئی کے کوچہ رامش گراں اور الحاد پرستاں میں جاکر ایسے اشعار کہنے لگے:

یہی جہاں ہے جہنم یہی جہاں جنت
بتاؤ عالم بالا کے سیر بینوں کو

مخدوم محی الدین اور جاں نثار اختر پر ترقی پسندی کا نشہ چڑھا تو نعرہ زن ہوئے:

حرم کے دوش پہ عقبیٰ کا دام ہے اب تک
سروں میں دین کا سودائے خام ہے اب تک
توہمات کا آدم غلام ہے اب تک
(مخدوم)

سینوں میں لرزنے لگی ایمان کی بنیاد
آنے لگا فرسودہ عقائد کو خدا یاد
اب مذہب ملا کا ہے اللہ نگہبان
(جاں نثار اختر)

مگر اسی پرشور اور طوفان خیز موسم میں اقبالؔ، وحالیؔ کی روایات کا علمبردار ایک قافلہ اہل ادب پوری آن بان کے ساتھ رواں دواں تھے جس کو روش صدیقی، شفیق جونپوری، جگر مراد آبادی، ماہر القادری کی سرپرستی حاصل تھی اور جس قافلہ میں حفیظ میرٹھی، فاروق بانسپاری، ابوالمجاہد زاہد، عروج قادری، عرشی بھوپالی، نعیم صدیقی جیسے ممتاز شعراء شامل تھے اور وہ ترقی پسندوں کے بالمقابل یہ پیام نئی نسل کو دے رہے تھے:

نگاہ خانہ تہذیب نو کے دیوانو
رہے گا کیا جو محبت کی سادگی نہ رہی
روش

بلاتے ہیں بہت اپنی طرف غیروں کے میخانے
بحمداللہ ہمیں اپنی ہی منزل یاد ہے ساقی
شفیق

اے پرستاران نغمہ چھوڑ کر تار رباب
آج کچھ دکھتی رگوں پہ انگلیاں رکھتا ہوں میں
حفیظ

راہ دشوار سحر دور گھنی شب لیکن
قافلے ٹھہرے نہ قدموں کی صدا ٹھہری ہے
عرشی بھوپالی

پھر گزشتہ صدی کی چھٹی ساتویں دہائیوں تک آتے آتے قلمکاروں اور شاعروں کی ایک بڑی جماعت اس قافلہ کے ساتھ شامل ہوگئی۔ ملک کے گوشے گوشے میں تعمیر پسند ادیبوں اور فنکاروں کے حلقے قائم ہوئے۔ بہت سے ادبی جرائد لکھنؤ، میرٹھ، حیدرآباد، رامپور، اور پھر دہلی سے منظر عام پر آئے۔ اسی عہد میں مہاراشٹر کے شہر بھنڈارہ سے ایک بلند حوصلہ اور صاحب فکر قلمکار منظر عام پر آیا۔ غلام الحسنین کیف نوگانوی کو ذاتی مطالعہ اور تصنیفی وتخلیقی ذوق وشوق کی بدولت اظہار وبیان پر قدرت حاصل ہوئی۔ کیف نوگانوی شعر کہنے لگے اور بہت جلد معتبر فنکاروں کی صف میں شامل ہوگئے۔ ادارہ ادب اسلامی کے وہ ابتدائی وبنیادی قلمکاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ملک کے بڑے بڑے ادبی مراکز سے دور مہاراشٹر کی ایک سنگلاخ وادی میں واقع ایک شہر میں فکروفن کا نبض شناس اور عصر رواں کی المناکیوں اور اپنے عہد کی تھرتھراہٹوں سے پوری طرح واقف یہ حساس و بیدار تعمیر پسند ادیب کس قدر باخبر اور کس قدر جذبہ تعمیر انسانیت رکھنے والا ہے اس کا اندازہ آپ کو اس کے اشعار سے ہوگا جو اس مجموعہ میں موجود ہیں۔ حضرت کیف کا سیاسی شعور خاصا بیدار ہے اور حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں گل وبلبل کی حکایت بیان کرنے والا فنکار لوگوں کی نگاہ سے گرجاتا ہے اور اسے لوگ اس عہد کی یادگار سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں۔ جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ حضرت کیف لکھتے ہیں:

رہگذر کی ہے خبر جن کو نہ منزل کا شعور
ان کے ہاتھوں میں قیادت کی زمام آئی ہے

کیف نوگانوی کے اندر اپنے ماحول کو بدلنے اور اقتدار سے محروم معاشرہ کو اعلیٰ اقدار سے روشناس کرانے کا ولولہ موجود ہے۔ بقول حضرت منشاء الرحمٰن خاں منشاء ''اخلاقی قدروں اور زندگی کے بین تقاضوں سے شاعری کا رشتہ ٹوٹ جائے تو شاعری بے اثر ہوکر محض لفظی گورکھ دھندا قرار پاتی ہے۔ وہ (کیف نوگانوی) صحت مند اسلامی فکر اور اخلاقی قدروں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شائستگی رچاؤ سنجیدگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔'' حضرت کیف، اقبالؔ سے خاصے متاثر ہیں۔ اور اپنے تعمیر پسند ہم عصروں کی طرح مشرق کے اس عظیم شاعر کے سرنگ وآہنگ کو اختیار کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ انہیں احساس ہے:

نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

چنانچہ رقم طراز ہیں:

سوز دل چاہئے چشم تر چاہئے
راہ اُلفت میں زاد سفر چاہئے
آندھیاں حوادث کی ان کو کیا بجھائیں گی
خون دل کے روغن سے جو چراغ جلتے ہیں

حضرت کیف زندگی کے سفر کو غازیوں کی طرح طے کرنے کے آرزومند ہیں اور انہیں یہ احساس ہے کہ جادہ اطاعت اور رہگذر شہادت میں پوری کائنات کی ہم سفر ہے:

جورہ شہادت میں سر بہ کف نکلتے ہیں
تھام کر رکاب ان کی انقلاب چلتے ہیں
جادۂ اطاعت میں کیف ہم نہیں تنہا
مہر و ماہ و انجم سب ہم رکاب چلتے ہیں
اہل ایمان ہوئے راہبوں کی طرح
کوئی انتہا نہیں غازیوں کی طرح
یہ عبادت سے کچھ کم نہیں
غم زدوں کو ہنسا دیجئے

میں اپنی سست خرامی سے ہوگیا گمراہ
نہیں ہے کوئی گلہ میر کارواں سے مجھے

جناب کیف کو ایک طویل شعری سفر کرتے ہوئے خاکسار نے دیکھا ہے اور کئی دشوار منزلوں میں وہ میرے ہم سفر رہے ہیں۔ ابھی میں اپنی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی جریدہ دوام کی ۱۹۷۰ء کی فائل حضرت فضا ابن فیضی اور نازش پرتاپ گڑھی کی چند نظموں کی خاطر دیکھ رہا تھا کہ حضرت کیف کی یہ غزل سامنے آئی:

دنیا کو ہم نے اپنی نظر سے گرادیا
گرنے نہ پائیں تاکہ تمہاری نظر سے ہم
باد صبا نے آہ اسے بھی بجھا دیا
بہلا رہے تھے دل کو چراغ سحر سے ہم
شعروں میں اپنے سوز واثر کیف کیوں نہ ہو
رکھتے ہیں ربط غالب و میر وجگر سے ہم

اس پختگی فن اور سہل ممتنع کے انداز کو دیکھ کر میں حیرت میں پڑگیا کہ ایسے فنکار کا مجموعہ کلام اب تک کیوں منظر عام پر نہ آسکا۔ شاید یہ شاعر کی قلندرانہ شان ہے جو اپنے جوہر کی نمائش کا قائل نہیں۔ بہرحال خوشی ہے کہ جس فنکار کی داستاں شوق کا عنوان صدق خلیل اور عزیمت حسین ہوا سے اب ادارہ ادب اسلامی ہند کا مہاراشٹر کا حلقہ منظر عام پر لارہا ہے۔ قارئین اس فنکار کا انداز سخن سب سے جداگانہ پائیں گے اور اس میں اپنے ذوق جمال، فکری بصیرت، عصری حسیت کی تسکین اور اعلیٰ درجہ کی شعری روایات سے خط وانبساط کا سامان پائیں گے۔ خدا سے دعا ہے کہ انہیں صحافت کی فضا میں پرواز کے ساتھ بحر سخن کی شناوری کے لئے طویل عمر عطا کرے۔

●●

ڈپلومیٹک

حافظ محمد شاکر الاکرم فلاحی، بلارشاہ، مہاراشٹر

اوّل اوّل کسی تحریک یا ادارہ سے وابستگی کا سبب تحریک کا مقصد یا کوئی سحر انگیز شخصیت ہوا کرتی ہے۔ اسلام کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا۔ بعض کو اسلام کے پیغام نے اپیل کیا اور بعض حضورؐ کی سحر انگیز شخصیت سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

افراد کا جو مجموعہ تحریک سے وابستہ ہوتا ہے اگرچہ ابتداء میں قلیل التعداد ہوتا ہے مگر پرخلوص ہوتا ہے۔ کیونکہ ''مقصد'' ہی وہ چیز ہوتی ہے جو انہیں تحریک سے وابستہ اور سرگرم رکھتی ہے۔ ان میں باہمی اعتماد وخلوص وتعاون کا مزاج ہوتا ہے۔ چپقلش، تنازعہ شکوک وشبہات، عدم تعاون اور سرد مہری وغیرہ بیماریاں ان میں نہیں ہوتیں۔ مگر رفتہ رفتہ جب تحریک زور پکڑنے لگتی ہے اور برگ وبار لانا شروع کرتی ہے تو بڑی تعداد میں ایسے افراد بھی اس سے وابستہ ہوجاتے ہیں جن کے لئے وجہ کشش، مقصد نہیں بلکہ وہ ''اثرات وثمرات'' ہوتے ہیں۔ جو سابقون الاوّلون کے بے پناہ خلوص، انتھک جدوجہد اور بے مثال ایثار وقربانی کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تحریک کی افرادی قوت بڑھ جاتی ہے۔ مگر نقصان یہ ہوتا ہے کہ ''مقصد'' وجہ کشش نہیں رہ جاتا۔

جب اکثریت ایسے افراد کی ہوجاتی ہے تو مقصد اور طریق کار کا لحاظ کم، نتائج کا اعتبار زیادہ کیا جاتا ہے۔

بادی النظر میں یہ غلط بھی معلوم نہیں ہوتا۔ تحریک کی رفتار اور قوت کار جانچنے کا ایک پیمانہ یہ بھی ہوتا ہے، مگر اصل کسوٹی یہ نہیں ہے بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ مقصد کی جانب صحیح پیش قدمی ہی ایسا معیار ہے جس کا اعتبار کرنا چاہئے۔ قطع نظر اس کے کہ متوقع نتائج برآمد ہورہے ہیں۔ یا نہیں۔ اس لئے کہ مطلوبہ نتائج پیدا کرنا انسانوں کے بس میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

حضرت نوحؑ کا مقصد بھی واضح تھا اور طریقہ کار بھی صالح تھا۔ مگر مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہورہے تھے۔ اس کے باوجود نہ تو طریقہ کار میں تبدیلی کی گئی نہ اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کا محاسبہ کیا۔ بلکہ نوحؑ بے صبری کا مظاہرہ کئے بغیر مسلسل دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آگیا۔

سرکار رسالت مآبؐ بھی کفار کی جانب سے تکذیب مسلسل اور تمسخر واستہزا کا ''سبب'' اپنی کمزوری وناہلی کو قرار دیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بار بار تسلی دی گئی کہ اصل میں یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ جس کو چاہے ہدایت دے سکتا ہے۔

لہٰذا نتائج کی کچھ زیادہ پروا کئے بغیر مقصد کی جانب صحیح خطوط پر لگاتار پیش قدمی جاری رکھنا چاہئے۔

لیکن جب نتائج ہی مقصود مومن بن جائیں تو ہنگامی نوعیت کی سرگرمیاں بڑھ جاتی ہیں مستقل اور دیرپا سرگرمیاں رفتہ رفتہ ماند پڑنے لگتی ہیں نتیجتاً مقصد بھی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگتا ہے اور ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب حصول مقصد کے تئیں غفلت بڑھ جاتی ہے اور تحریکی افراد، یاس وقنوط کے بھنور میں پھنس کر فنا ہوجاتے ہیں۔

واضح رہے کہ ہمیشہ ہی ایسا نہیں ہوتا کہ تحریک کی مقبولیت کے زمانہ میں ''عاجلہ'' کو عزیز رکھنے والے نادان دوست ہی تحریک کو ملتے ہیں، بلکہ ایسے ہنگامی دور میں بھی ''مقصد'' دلوں اور دماغوں کو اپیل کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ اہل دل کا دل بھی برابر اس قافلۂ سخت جاں میں شامل ہوتا رہتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ قافلہ 'وادی غیر ذی زرع' میں سرگرم سفر ہے۔ مگر بہت جلد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ اہل قافلہ، مقصد کی جانب پیش قدمی کم اور ہنگامی نوعیت کی دوڑ بھاگ زیادہ کرتے ہیں۔

اوّل اوّل وہ روکنے اور دامن پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں کبھی کبھی راستے پر لانے میں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں اور کبھی اس کوشش میں خود بھی اسی راستے پر جاپڑتے ہیں جس پر اہل قافلہ بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ اس کشمکش میں کبھی ان پر جھنجھلاہٹ طاری ہوجاتی ہے اور مایوسی کا شکار ہونے لگتے ہیں کبھی تحریک کی ہمدردی میں پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا'' کی مثال بن جاتے ہیں۔

کبھی قیادت کی ناز برداری کرتے ہیں کبھی جھگڑ بیٹھتے ہیں۔ ان کی رائے کچھ ہوتی ہے قیادت کی کچھ نہ تحریک کو الوداع کہتے بنتا ہے نہ افراد تحریک کے ساتھ مل کام کرتے بنتا ہے۔

اس طرح رفتہ رفتہ یہ بھی ضائع ہونے لگتے ہیں۔ ان کی مخلصانہ سرگرمیوں میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ اب یہ جوش وخروش کے ساتھ کسی کی رائے پر نقد وتبصرہ نہیں کرتے اپنی رائے محفوظ رکھنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح مخلص کارکنان بھی ڈپلومیٹک بن جاتے ہیں۔

●●

بقیہ: اِسلام اور ہم

ہم صرف نام کے مسلمان ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے ''تم میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اس کا نفس اس چیز کا تابعدار نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔'' (صحیح بخاری)

آج ہمارے معاشرے میں ذہنوں میں ایک بات بیٹھ گئی ہے۔ نماز پڑھ لینا، روزے رکھ لینا صدقہ زکوٰۃ دے دینا، حج وعمرہ کرلینا مسلمانی ہے۔ صرف نماز، روزہ، صدقہ زکوٰۃ، حج وعمرہ کا نام اسلام نہیں ہے۔ ہاں مسلمانوں والا کام ضرور ہے اسلام میں تو اور بھی بہت کچھ ہے۔ اسلام تو کلمہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ سے لے کر راستے میں پڑے کانچ کے ٹکڑے ہٹانے تک ہے، اسی میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ حج عمرہ، حقوق الوالدین، میاں بیوی کے معاملات، تجارت، لین دین، حقوق اولاد، گویا شریعت اسلام میں دنیائے فانی میں آنے والی ہر ساعت کا حساب ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف ایک ہی بات اللہ کی لے کر آئے ''نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق سوائے اللہ کے'' ''بہت بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' (الملک:۲۹) اسی طرح کی آیت سورۂ آل عمران میں بھی آئی ہے۔

محمد رسول اللہ پڑھ لینے کا مطلب اقرار کرلینا، یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میرا ہر قدم آپؐ کی شریعت کے مطابق ہوگا۔'' میرا ہنسنا رونا، ملنا جلنا تجارت، لین دین، بیوی بچوں سے ملنا شریعت کے مطابق ہوگا۔ قرآن پاک نظام حیات ہے۔ اور اللہ نے آپ کے ذریعہ اس کی تشریح کردی۔ اللہ کا فرمان ہے ''تم میں سے کوئی بھی مرد عورت اس وقت تک مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے تمام تر اختیارات اللہ اور اس کے رسولؐ کے حوالے نہ کردے۔''

ہم نے کہاں تک مسلمان ہونے کا حق ادا کیا؟ کہاں تک اسلام کا دفاع کیا؟ آج سے چودہ سو سال قبل آپؐ نے دعوت دی تھی، اس عرب کے جہلاء کو جو بدکار تھے شرابی تھے، ۳۶۰ معبودوں کی پرستش کرتے تھے، اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کردیتے تھے۔

''آؤ مکہ والو! جہالت میں ڈوبے ہوئے لوگو! میں تم کو ایک کلمہ سکھاتا ہوں، ایک نسخہ بتاتا ہوں ایک طاقت دیتا ہوں، جس کی طاقت سے تم ایران وروم کو اپنی ٹھوکروں سے روند دو گے۔'' کفار مکہ، پہاڑی کے قریب آئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہو ''لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ'' کفار مکہ کہنے لگے ''اے صادق امین، غریبوں کے مسیحا رحم وکرم والے محمد بن عبداللہ کیا کہنا چاہتے ہو۔ کیا یہ ہوسکتا ہے تمہارا نسخہ ہمیں پوری دنیا میں فتحیاب کردے گا؟''

آپؐ نے فرمایا ''ہاں ہاں''۔ کلمہ پڑھو، ادیان سب برباد ہوجائیں گے، تم ہی کامیاب رہوگے۔ (تاریخ اسلام ابن حسام)

عربوں کی کایا پلٹ ہوگئی، پورا خطہ عرب ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔

آج وہی کلمہ ہماری زبان پر ہے، گھروں میں، مسجدوں، مدرسوں میں ہے۔ لیکن ہم فوقیت حاصل نہیں کرسکتے، عالمی، بین الاقوامی، ملکی سطح پر ہمیں ذلیل وخوار کیا جاتا ہے۔ شک وشبہات کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ہم اپنی بے بسی کا رونا روتے ہیں۔ ہمیں تو اللہ نے وہ کلمہ دیا وہ ہتھیار دیا، وہ نسخہ بتایا جس پر عمل کرکے ہم دین ودنیا میں فتحیاب وکامیاب ہوسکتے ہیں اور یہ اللہ کا وعدہ بھی ہے۔

لیکن ہم نے تو اس کلمہ اور شریعت کو رسمی بنادیا ہے۔ دین کے اصل حق کو ادا نہ کیا۔

غیور صحابہؓ نے ۳۱۳ کی قلیل تعداد میں رہ کر بھی ایک ہزار کفار مکہ کو جنگ بدر میں شکست دی تھی۔ مجبور دبی ہوئی قوم نے ایران کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ قیصر وکسریٰ سے لے کر روم کے بادشاہ کے تخت تک کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ قسطنطنیہ کو فتح کرکے آپ کی پیشین گوئی کو سچ کرکے دکھلایا تھا۔ وہ ایمان کی قدر کرتے تھے۔ جانتے تھے اور اپنی قوت سمجھتے تھے۔ آخرت کی فکر تھی۔

آج ہم نے دنیا کو زندگی کا مقصد بنالیا ہے، حلال حرام جائز ناجائز کی تمیز بھول گئے۔ پھر کہتے ہیں ''دعا قبول نہیں ہوتی'' کیوں کر ہوگی؟ حلال رزق سے اگر ہماری اور ہماری اولاد کی پرورش ہوگی تو یقیناً ہماری دعا قبول ہوگی۔ اور ہم ہی دین ودنیا میں سرخرو اور کامیاب ہوں گے۔

اللہ کا فرمان ہے ''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے جس دن تم اسے دیکھ لو گے دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور حمل والیوں کے حمل گرجائیں گے اور لوگ مدہوش دکھائی دیں گے۔ حالانکہ درحقیقت وہ نشہ میں نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔'' (الحج ۱۷) یہ تو قیامت سے قبل ہوگا اور اس کے ساتھ ہی یہ دنیا فنا ہوجائے گی اب دوسری حدیث نبویؐ پر غور کریں۔ ''قیامت کا دن ہوگا۔ رب العالمین عدل کی کرسی پر جلوہ افروز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ذریت میں سے ہزار میں سے ۹۹۹ جہنم کے لئے نکال دیں۔ یہ بات سن کر حمل والیوں کے حمل گرجائیں گے، بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے۔ حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے، صرف عذاب کی شدت ہوگی۔'' یہ بات صحابہؓ پر بڑی گراں گزری، ان کے چہرے متغیر ہوگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا ''(گھبراؤ نہیں) یہ ۹۹۹ یاجوج وماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہوگا، تمہاری تعداد لوگوں میں سے اس طرح ہوگی جیسے سفید رنگ کے بیل کے پہلو میں کالے بال اور مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھائی یا تہائی یا نصف ہوں گے۔'' یہ سن کر صحابہؓ نے بطور مسرت کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحج) اللہ کے رسول نے فرمایا تین ایسے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ (۱) والدین کا نافرمان (۲) دیوث (بے غیرت) (۳) منافق۔ قرآن کہتا ہے یہ پیغمبر جو تمہیں دنیا کے راستے بتاتا ہے، دین کی باتیں بتاتا ہے یہ باتیں اپنے علم یا اپنی خواہشات سے نہیں بولتا۔ یہاں تک کہ ہم ان کو وحی نہ کردیں۔ (النجم:۳)

اللہ کا فرمان ہے (بنی اسرائیل) اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر تیری موجودگی میں ان میں سے کوئی یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف (ناگواری) تک نہ کہو، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا، اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رہنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر ویسا ہی رحم کر جیسے انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔'' والدین کا نافرمان جنت میں نہیں جائے گا۔

(۲) دیوث: لفظی معنی بے غیرت۔ یعنی وہ آدمی جس کے سامنے شریعت کا مذاق اُڑایا جارہا ہو اور وہ خاموش رہے۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ غیر شرعی کام کو طاقت سے روکے اگر یہ ممکن نہیں تو زبان سے منع کرے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دل سے برا سمجھے۔'' اب ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہمارے سامنے کتنے غیر شرعی کام ہوتے ہیں اور ہمارا ردّعمل کیا ہوتا ہے؟ یہ ہے اسلام اور ہم۔

(۳) منافق: منافق کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں (۱) بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۳) امانت میں خیانت کرے۔

اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ ہے قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوگیا تو اس کے بیٹے عبداللہ (جو مسلمان تھے) نے آپؐ سے کہا کہ ایک تو آپ اپنی قمیص عنایت فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس میں کفنادوں، آپ نماز جنازہ پڑھادیں۔''

حضرت عمرؓ نے آپؐ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ سے روکا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے'' یعنی روکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اگر یہ ستر مرتبہ بھی اس کے لئے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہیں کرے گا۔'' تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لئے استغفار کروں گا۔ چنانچہ آپؐ نے نماز جنازہ پڑھادی۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ برأت ومسلم کتاب صفات المنافقين وأحكامهم)

عبداللہ بن ابی نے بدعہدی کی تھی وہ غزوہ احد سے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر لوٹ آیا تھا۔ آج جو ہم ذلیل وخوار ہورہے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ہم نے اسلامی تعلیمات کو بھلادیا، ہم نے شریعت کا دامن چھوڑ دیا، اسلام کا عملی نمونہ نہ بن سکے۔ بچوں کو دینی تعلیمات سے دور رکھا، ورنہ غیر مسلم جو گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ ہیں، ہمارے آداب، اخلاق، اور معاملات سے متاثر ہوکر ایمان لے آتے۔

●●

طب وصحت

صحت عامہ کے مسائل اور طبی تحقیق کی ضرورت

ڈاکٹر عبدالرحمٰن خواجہ

انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود نہایت کمزور اور نازک حیثیت کا حامل ہے۔ موسم کی زیادتی یا بے احتیاطی سے بیمار ہوسکتا ہے اور یہ بیماری لمبے عرصے تک اسے صاحب فراش رکھ سکتی ہے۔ شعبہ طب وصحت انسان کی صحت اور بیماری سے متعلق ایک نہایت اہم اور ضروری شعبہ ہے۔ اس شعبے کے تحت نظام صحت قائم ہے۔ جس میں ہسپتال، کلینک، نرسنگ ہومز اور ہیلتھ سنٹرز شامل ہیں۔ حکومت کا محکمہ صحت رات دن عام لوگوں کی صحت کا ذمہ دار ہے۔ شعبہ طب وصحت کی کائنات کا مرکز مریض ہے۔

جدید دور میں طب وصحت کی ترقی اور کمپیوٹر انفارمیشن سائنس اور ریسرچ سائنس کی ترقی کی وجہ سے یہ شعبہ معجزہ نما ہوگیا ہے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ بیماریوں کی تشخیص اور علاج ممکن ہوگیا ہے۔ تقریباً ہر بیماری کا انجام معلوم ہوچکا ہے اور بہت سے بیماریوں سے بچنے کے طریقے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ عام مریض کو اس بات سے واقف نہیں کہ اس کا مرض کیا ہے اور اس کا علاج کیسے ہوگا؟ مگر ایسے معالج اور طبیب ہر جگہ موجود ہیں جو کہ نہایت سُرعت کے ساتھ مریض کو مطمئن کرسکتے ہیں کہ اس کا علاج ممکن ہے اور اسے اتنے عرصے کے بعد مکمل شفا ہوجائے گی۔ دوسری صورت میں یہ معلوم کرنا بھی مشکل نہیں رہا کہ علاج کی ناکامی کا فیصد کیا ہے؟ اور کتنے عرصے کے بعد زندگی مریض کا ساتھ چھوڑ دے گی، اس صورت حال میں ہسپتالوں اور ہیلتھ سنٹرز میں اگر مریض اپنے معالج کی لاعلمی یا غلطی کی وجہ سے زندگی کی نعمت سے محروم ہوتا ہے تو یہ نظام کی ناکامی ہے۔ امریکہ میں ایک تحقیق کے مطابق ڈاکٹروں کی غلطیوں کی وجہ سے معذور ہونے والوں یا مرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں جاپہنچی ہے۔ چونکہ ان کا نظام شماریات یعنی ریکارڈ سسٹم نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اس لئے یہ معلومات ظاہر ہوئیں اور اس سچائی کو چھپائے بغیر نہ صرف مان لیا گیا بلکہ اس کی تشہیر بھی کی گئی۔ اگر آپ غلطی تسلیم کرلیتے ہیں تو آپ اس غلطی کے تدارک کی کوشش کرسکتے ہیں۔ اگر غلطی تسلیم نہ کی جائے تو تدارک کا تو ذکر ہی کیا۔

جب ایک مریض ہسپتال میں داخل ہوتا ہے تو اس مریض سے ڈاکٹر پوری ہسٹری لیتا ہے اور معائنہ مکمل کرنے کے بعد ایک ابتدائی تشخیص کرلیتا ہے۔ اس کے بعد ٹیسٹ، ایکسرے اور ای سی جی، ایم آر آئی، الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کی مدد سے آخری تشخیص کرنے کے بعد علاج کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ علاج دوائیوں سے کیا جاتا ہے یا آپریشن کی مدد سے۔ دوسری صورت میں شعاعوں یا انجیکشنز کی مدد لی جاتی ہے۔ مریض کی صحت اس کے علاج کی نوعیت اور بیماری کے مراحل کے بارے میں روزمرہ کی معلومات لی جاتی ہیں اور ان پر باقاعدہ بحث ومباحثہ کرنے کے بعد لائحہ عمل ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس دوران مریض کی تمام تفصیلات ایک چارٹ میں ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ جسے میڈیکل چارٹ کہا جاتا ہے۔ جدید اور ترقی یافتہ ممالک میں یہ تمام ریکارڈ تفصیلات کے ساتھ کمپیوٹرائز شکل میں محفوظ ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ علاج کی تفصیل نرس کے نوٹس، آپریشن کے نوٹس، تمام ٹیسٹوں اور تشخیصی عوامل کی تفصیل بھی ریکارڈ کی جاتی ہے اور ایک الیکٹرانک فائل کی صورت میں محفوظ کرلی جاتی ہے۔ مریض کو ایک کارڈ دے دیا جاتا ہے۔ وہ جب بھی ہسپتال آتا ہے تو اس کارڈ کی وجہ سے مریض کا تمام ریکارڈ چند لمحوں میں ڈاکٹر کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ مریض کا علاج کرنے کے بعد مزید ریکارڈ اس کارڈ میں داخل کردیا جاتا ہے۔ اس طرح مریض کی تمام زندگی کے تمام امراض اور ان کے علاج کی تفاصیل اس الیکٹرانک ریکارڈ میں موجود ہوتی ہیں اور تمام ملک میں کہیں سے بھی نکالی جاسکتی ہیں۔ پھر دوائیوں کی تفصیل، انجیکشنز کی تعداد، دوائیاں اور انجیکشنز دینے کا وقت اور دوسری اہم باتیں اس ریکارڈ کا حصہ بنتی جاتی ہیں۔ اگر مریض دوسرے ہسپتال جاتا ہے تو یہ ریکارڈ اس کارڈ کی بدولت اُس ہسپتال میں بھی شفٹ ہوجاتا ہے۔ اس سے نہ صرف ڈاکٹر کا وقت بچ جاتا ہے بلکہ مریض کی تکالیف بھی کم ہوتی ہیں اور تشخیص کے تکلیف دہ مراحل کو دہرایا نہیں جاتا۔ اس نظام کو جدید اصطلاح میں میڈیکل انفارمیٹکس یا طبی علمیات کہا جاتا ہے۔ یہ نظام کمپیوٹر سائنس، انفارمیشن سائنس اور میڈیکل سائنس کے باہمی اتصال سے وجود میں آیا ہے۔ رقام جب ملائشیا کے جدید انتظامی دارالحکومت پترا جایا کے پیپرلیس (Paperless) ہسپتال کا دورہ کررہا تھا تو ڈاکٹر امین نورالدین نے ان تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس ہسپتال میں سارا نظام میڈیکل انفارمیٹکس Medical Informatics کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ اس نظام کی خوبصورتی یہ ہے کہ مریض کا علاج تو ہوتا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ دوسری جزئیات اور عوامل بھی ریکارڈ کا حصہ بن جاتی ہیں اور تحقیق کرنے والے بعد میں ان کی چھان پھٹک کرسکتے ہیں اور مندرجہ ذیل اہم معلومات سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

(۱) ہسپتال میں کتنے مریض آئے؟
(۲) کس کس مرض کے کتنے مریض تھے؟
(۳) ان کا علاج کس طریقے سے کیا گیا؟
(۴) علاج کا نتیجہ کیا نکلا؟
(۵) کون سا طریقہ علاج بہترین ہے؟
(۶) کس مرض سے بچا جاسکتا ہے؟
(۷) تشخیص کے نئے طریقے کس طریقے سے ڈاکٹروں کی مدد کرتے ہیں؟
(۸) علاج کے دوران ڈاکٹروں، نرسوں، لیبارٹری اسٹاف اور پیرا میڈیکل اسٹاف سے کیا کیا غلطیاں سرزد ہوئیں؟
(۹) مستقبل کی منصوبہ بندی کس طریقے سے کی جائے کہ مریضوں کا علاج آسان اور فوری ممکن ہوسکے؟
(۱۰) حکومت اور محکمہ صحت کو عام لوگوں تک کیا کیا معلومات پہنچانی چاہئیں تاکہ عام لوگ ان امراض سے بچ سکیں؟

ڈاکٹر صرف اس شخص کو کہتے ہیں جو علاج معالجہ میں مصروف ہو یا آپریشن کرسکتا

باقی صفحہ ۸ پر

POSTED ON 29 APRIL 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

یکم مئی ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in, dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 -2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

امریکی ایٹمی ڈاکٹرن میں تبدیلی

محمد انیس الرحمن

روسی اخبار ''پراودہ'' نے اپنی حالیہ اشاعت میں انکشاف کیا ہے کہ ''امریکہ اپنے نیوکلیئر ڈاکٹرن میں تبدیلی لا رہا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکی ماہرین کو یقین ہے کہ امریکہ کا موجودہ جوہری نظام فرسودہ ہوچکا ہے۔ اب امریکی روسی سرحدوں کے حوالے سے اپنی جنگی حکمت عملی تبدیل کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے انہوں نے بارہ روسی شہریوں کو اپنی جوہری میزائلوں کے نشانے پر لیا ہے، یہ بارہ روسی شہر روسی صنعت اور اقتصادیات میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کے حامل ہیں۔ امریکی ماہرین کے مطابق ان روسی شہروں کی تباہی روسی معیشت کو تباہی سے دوچار کرسکتی ہے جس کی بنیاد پر روس اپنی عسکری استعداد برقرار رکھنے میں ناکام ہوجائے گا۔'' یہ معلومات نیشنل ری سورسز ڈیفنس کونسل (NRDC) کو ''امریکی جوہری جنگ میں بنیادی تبدیلیوں'' کے عنوان سے ارسال کی گئی ہیں اور اس بات کی تجویز دی گئی ہے کہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے چھوٹے ایٹمی ہتھیار بنائے جائیں۔ سرد جنگ کے زمانے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے روس کی سخت سرزمین پر مقابلے کے لئے روس کی عسکری تنصیبات اور طول وعرض تک پھیلی ہوئی ملٹری بیس کو تباہی سے دوچار کرنا شامل تھا، جب کہ ان اہداف میں چین کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔ اس سلسلے میں روس کے اتحادی علاقائی ملکوں کی جوہری اور کیمیائی ہتھیاروں سے متعلق استعداد کو بھی نشانہ بنانے کی پالیسی وضع کی گئی تھی۔ یوں کم سے کم عسکری توازن برقرار رکھنے کے لئے محدود عسکری کارروائیوں کا نظریہ بھی پیش نظر رہا ہے۔

''واشنگٹن پوسٹ'' کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''اس کے باوجود کہ جوہری قوتوں کے درمیان ہتھیاروں کی تعداد کیا ہے'' اس روسی رپورٹ کے مصنف نے فیڈریشن آف امریکن سائنٹسٹ اینڈ نیچرل ریسورسز ڈیفنس کونسل کی آراء کو مدنظر رکھ کر رپورٹ تیار کی ہے، جس میں امریکی اہداف اور ان میں تبدیلی کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔''

مندرجہ بالا رپورٹوں کا اگر باریک بینی سے تجزیہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوجائے گا کہ روس کا ایران کے جوہری منصوبے میں تعاون پیش کرنا اس کی دوررس حکمت عملی کی بنیاد پر تھا۔ یہ ایک ایسی جوہری دیوار ہے جو روس کے لئے امریکی عزائم کے سامنے کھڑی ہوسکتی ہے۔ ایران کو امریکہ کی جانب سے نرم اور اسرائیل کی جانب سے گرم دھمکیوں کا سلسلہ اسی حکمت عملی کی ایک کڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال فروری میں ایرانی وزیر دفاع مصطفیٰ نجار نے ماسکو میں روسی حکام سے ملاقات کرکے ایران کے بوشہر میں واقع ایٹمی ری ایکٹر کی حفاظت کے لئے روسی عسکری امداد کی درخواست کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے روس کی سب سے بڑی میزائل ساز فیکٹری کا دورہ بھی کیا، جہاں پر اس وقت مشہور طیارہ شکن روسی میزائل ''الماز اینٹی'' Almaz Antey کی تیاری جاری ہے۔ اسی روسی فیکٹری میں مشہور روسی دور مار میزائل S300 کی تیاری بھی کی جاتی ہے۔ لندن سے شائع ہونے والے عربی جریدے ''المجلہ'' کی رپورٹ کے مطابق ایرانی وزیر دفاع کے دورہ ماسکو کے دوران روسی حکام نے ایران پر دشمن کی جانب سے کئے جانے والے کسی بھی اچانک فضائی حملے کے توڑ کے لئے میزائل کی فروخت پر رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ ان میزائلوں کو بوشہر کے مختلف علاقوں پر عسکری تنصیبات پر نصب کیا جائے گا تاکہ اسرائیل یا امریکہ کی جانب سے ہونے والے کسی بھی فضائی حملے کا توڑ کیا جاسکے۔

سوویت یونین کی تحلیل اور سرد جنگ میں خاتمے کے بعد نئے امریکی عسکری نظریے کے تحت اسلامی دنیا کی اس مزاحمت کو کچلنا شامل تھا جسے وہ افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف برسرپیکار دیکھ چکے تھے۔ اس کے علاوہ افغانستان ہی وہ واحد راستہ تھا جہاں سے بحیرہ قزوین اور بحیرہ اسود کی تیل اور گیس کی ترسیل ممکن ہوسکتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ افغانستان میں ایسے عسکری اڈوں کا قیام بھی

باقی صفحہ ۶ پر

بقیہ: عراق پر امریکی قبضے کے چھ سال مکمل

نے عراق کو خونریزی وغارت گری سے نکالا ہے۔ مگر اچھی خبر یہ ہے کہ نئے صدر نے جنگ کے خاتمے کا اعلان کردیا ہے اور عراق سے امریکی فوجوں کی واپسی کے لئے ٹائم ٹیبل مقرر کردیا ہے۔ مگر کیا امریکی صدر اور ان کی انتظامیہ کے افسران کے اس موقف کو تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ واقعی عراق میں امن وامان ہے، جب کہ عراق ابھی تک مخدوش حالت میں ہے، عراق کے مستقبل کا فیصلہ بھی ہنوز تعطل پذیر ہے۔ تشدد کی فضا ابھی تک عراق پر طاری ہے۔ بہت سے عراقی لاپتہ ہیں، بہت سے پناہ گزینی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایسے میں کیا عراق کے مستقبل کو محفوظ کہا جاسکتا ہے؟ عراق کو تباہی کے ان حالات تک کس نے پہنچایا؟ امریکہ نے۔ امریکہ کے فوجی عراق میں محفوظ نہیں، جب کہ امریکہ عراق میں امن وامان اور سلامتی کا دعویٰ کر رہا ہے۔

امریکہ نے عراق میں امریکہ مخالف گروہوں سے لڑنے کے لئے نجی ملیشیا تیار کی ہے۔ مگر اس کے باوجود آئے دن امریکی فوجیوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق عراق میں فوجی آپریشن کے دوران ہلاک ہونے والے امریکی فوجیوں کی تعداد بڑھ کر ۴۲۰۰ ہوچکی ہے اور تعداد میں اضافہ ہورہا ہے، کمی واقع نہیں ہورہی۔ خودکش دھماکوں کا سلسلہ بھی تا حال جاری ہے۔ عراق کی حکومت روس سے بھی روابط بڑھا رہی ہے۔ عراق کے وزیر اعظم نوری المالکی نے روس کے دورہ کے دوران عسکری ٹیکنالوجی کے حصول کے علاوہ اقوام متحدہ کی عراق پر پابندیوں کے ضمن میں حمایت حاصل کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اگر امریکہ عراق سے نکل جائے تو عراق کے گروہ آپس میں مل بیٹھ کر عراق میں امن وسلامتی کے لئے کوئی حل نکال سکتے ہیں۔ عراق کے دگرگوں حالات کا ذمہ دار صرف امریکہ ہے۔ جس نے وہاں نہ صرف تباہی برپا کی بلکہ عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی ہے۔ اس خوبصورت اور خوشحال ملک کو کھنڈر بنایا کر رکھ دیا۔ نہ صرف اس نے عراق کو تباہ وبرباد کیا بلکہ وہاں کے گروہوں کے آپسی اختلافات کو ہوا دی۔ فرقہ وارانہ گروہی تصادم کو بڑھایا۔

امریکہ نے یہ حالات جان بوجھ کر پیدا کئے تاکہ اسے وہاں مزید ٹھہرنے کا موقع مل سکے۔ عراق میں امریکی فوجی کمانڈر جنرل اوڈیرانو نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ عراق میں امریکی فوج کے انخلاء کی ڈیڈ لائن نظر انداز ہوسکتی ہے۔ جنرل اوڈیرنو کا کہنا ہے کہ یعقوب اور موصل میں ضرورت پڑنے پر امریکی فوج میں کمی کی بجائے اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ ایک طرف واپسی کے اعلانات، دوسری طرف مزید ٹھہرنے کے جواز...... امریکہ کے حقیقی عزائم اور اندر کے ارادوں کو ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ انخلاء صرف ایک دھوکہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ امریکہ کے عراق میں چھ سالوں نے اسے تباہی وبربادی کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔ امریکہ کا عراق میں مزید قیام مزید تباہیوں کا سبب بن سکتا ہے۔ امریکہ اگر واقعی انخلاء کے معاملہ میں سنجیدہ ہے تو اسے مستقل اور ٹھوس بنیادوں پر عراق کی حکومت کے ساتھ مل کر عراقی عوام کی خواہشات کے مطابق لائحہ عمل ترتیب دینا چاہئے اور خالص دیانت دارانہ بنیادوں پر اس پر عمل کرنا چاہئے۔ ●●

معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام

بغداد- عراقی وزیر اعظم نوری المالکی نے کہا ہے کہ امریکہ نے ملک کے جنوب میں حملہ کرکے ایک جرم کیا ہے اور اس کے ذمہ داروں کے خلاف مقدمہ چلایا جانا چاہئے۔ ان کے مطابق یہ کارروائی سلامتی سے متعلق اس معاہدے کی کھلی خلاف ورزی ہے جس کے امریکی فوجیں عراق میں کارروائی کررہی ہیں۔ واضح رہے کہ عراق کے جنوبی شہر الکوت میں ہونے والے اس حملے میں دو افراد ہلاک ہوگئے تھے، دوسری طرف امریکی فوج کا کہنا ہے کہ یہ کارروائی عراقی حکومت کی رضامندی سے کی گئی تھی۔

بقیہ: سوڈان کے خلاف صہیونی عزائم

پر ہی مقدمے کی پوری عمارت کھڑی کردی۔ ان ''عناصر'' کی قلعی بھی خود صہیونی اخبارات کھول رہے ہیں۔

اس وارنٹ گرفتاری اور عالمی عدالت جرائم کے دائرۂ کار اور طریق کار کے بارے میں مزید کئی قانونی واخلاقی پہلو بہت اہم ہیں، لیکن بنیادی طور پر چونکہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے اس لئے حکومت سوڈان بھی اسے سیاسی انداز ہی سے حل کر رہی ہے۔ ابھی تک سوڈان کی طرف سے اس عدالت میں نہ کوئی پیش ہوا، نہ کسی طرح مقدمے کی پیروی ہی کی گئی ہے۔ ہاں دارفور کی صورت حال کا سنجیدگی سے جائزہ لیتے ہوئے اصلاح احوال کی متعدد اہم کوششیں کی گئی ہیں۔ دارفور میں تعمیر وترقی کے کئی منصوبے مکمل ہوچکے ہیں، مزید کئی پر کام جاری ہے۔ دارفور کے مختلف دھڑوں اور حکومت کے درمیان مذاکرات کے کئی ادوار ہوچکے ہیں۔ مختلف قبائل کے درمیان بھی مصالحت کروائی گئی ہے اور بعض اہم قبائل اور حکومت کے مابین بھی۔ اس ضمن میں اہم ترین کامیابی قطر کے دارالحکومت دوحہ میں حکومت سوڈان اور دارفور کے بعض نمایاں متحارب دھڑوں کے درمیان بین الاقوامی گارنٹی کے ساتھ طے پانے والا معاہدہ ہے۔ ۴ مارچ کو وارنٹ گرفتاری آنے کے چار روز بعد ہی سوڈانی صدر شمالی دارفور کے دارالحکومت فاشر پہنچ گئے۔ لاکھوں کی تعداد میں اہل دارفور نے ان کا استقبال کیا۔ اگلے ہفتے وہ جنوبی دارفور کے شہر سعدو پہنچ گئے یہاں بھی ایسا ہی منظر تھا۔

عمرالبشیر نے ان اجتماعات میں اس عدالت اور اس کی پس پشت قوتوں کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ''آپ کے وارنٹ کو جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں اور ان شاء اللہ اپنے عوام کے تعاون سے تعمیر وترقی کا سفر جاری رکھوں گا۔''

سوڈانی صدر نے ان اجتماعات ہی میں اعلان کرتے ہوئے ایسی کئی عالمی تنظیموں کو سوڈان سے نکل جانے کا حکم دیا جو ان کے بقول امدادی سرگرمیوں کے لئے نہیں، جاسوسی کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ ان کے اس اعلان پر سب سے زیادہ ہنگامہ ہیلری کلنٹن نے برپا کیا۔

اسرائیلی داخلی سلامتی کے وزیر آفی ڈیختر بغیر کسی لاگ لپٹ کے واضح طور پر کہہ چکے ہیں: ''ہمارا ہدف سوڈان کے حصے بخرے کرنا اور وہاں خانہ جنگی کی آگ بھڑکائے رکھنا ہے۔ کیونکہ سوڈان اپنی وسیع وعریض سرزمین، بے تحاشا معدنی وزرعی وسائل اور بڑی آبادی کے ذریعہ ایک طاقتور علاقائی قوت بن سکتا ہے۔ سوڈان کے ہم سے دُوردراز ہونے کے باوجود عالم عرب کی قوت میں اضافے کا سبب نہیں بننے دینا چاہئے۔ اگر سوڈان میں استحکام رہا تو وہ اپنے وسائل کے ذریعے ایسی قوت بن جائے گا جس کا مقابلہ ممکن نہیں رہے گا۔ سوڈان سے اس کی یہ صلاحیت سلب کرلینا اسرائیلی قومی سلامتی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔'' (۱۰راکتوبر ۲۰۰۸ء کے اسرائیلی اخبارات)

اسرائیلی وزیر نے تاریخ سے ایک حوالے دیتے ہوئے کہا ''۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۰ء کے دوران جب مصر اور اسرائیل حالت جنگ میں تھے، تو سوڈان نے مصری فضائیہ کی اصل قوت اور بری افواج کے تربیتی مراکز کے لئے اپنی سرزمین فراہم کی تھی۔ اس صورت حال کے اعادہ سے بچنے کے لئے اسرائیلی ذمہ داران کا فرض تھا کہ وہ سوڈان کے لئے ایسی مشکلات کھڑی کریں جن سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہ رہے۔''

وزیر داخلی سلامتی کا مزید کہنا تھا کہ ہم نے سوڈان کے پڑوسی ممالک ایتھوپیا، یوگنڈا، کینیا اور زائر میں سوڈان مخالف مراکز قائم کئے، اور اسرائیل کی تمام حکومتوں نے ان مراکز کو فعال رکھا ہے تاکہ سوڈان عالم عرب اور عالم افریقہ میں کوئی مرکزی حیثیت نہ حاصل کرسکے۔

اسی ترنگ میں دارفور کا ذکر کرتے ہوئے آفی ڈیختر کہتا ہے ''دارفور میں ہماری موجودگی ناگزیر تھی۔ یہ سابق اسرائیلی وزیر اعظم شیرون کی دوربینی اور افریقی معاملات پر دسترس تھی کہ اس نے دارفور میں بحران کھڑا کرنے کی تجویز دی۔ ان کی تجویز پر عمل کیا گیا، عالمی برادری خاص طور پر امریکہ ویورپ نے ساتھ دیا اور بالکل انہی وسائل، ذرائع اور اہداف کے مطابق دارفور میں ''کام شروع ہوگیا'' جو ہم نے تجویز کئے تھے۔ آپ یہ امر ہمارے لئے باعث تشفی ہے کہ دارفور کے بارے میں ہمارے طے شدہ اہداف ومقاصد اب تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں۔'' ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایا نین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوٹی ندوی، اشرف علی بستوی

بقیہ: صحت عامہ کے مسائل اور طبی تحقیق کی ضرورت

ہو۔ اس کو ہم اپنی زبان میں کلی نیشین (Clinician) کہتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ڈاکٹر کلی نیشن ہی بنے۔ دوسرے شعبے بھی اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں۔

ایک اور شعبہ ہیلتھ اکنامکس کا ہے۔ یعنی صحت اور بیماری کی معاشیات، ایک شخص صحت مند ہے اور کما رہا ہے اور وہ شخص بیمار پڑ جاتا ہے اور ہسپتال میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کی معاشیات کیا ہوگی؟ اس مریض کے حوالے سے، اس کے خاندان کے حوالے سے، حکومت کے اخراجات کے حوالے سے اور اس بیماری کے انجام کے اثرات کے حوالے سے کہ اگر وہ صحت یاب نہ ہوا تو کیا ہوگا؟ اور اگر وہ معذور ہوگیا یا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تو اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ اگر کوئی ڈاکٹر ایم بی بی ایس کے ساتھ ساتھ اکنامکس کی تعلیم بھی حاصل کرلیتا ہے تو وہ معاشرے کے لئے یقیناً ایک نعمت بن جائے گا۔ کیونکہ ان علوم کی وجہ سے کئی دوسرے علوم اور مہارتیں اسے حاصل ہوجائیں گی۔ مثال کے طور پر نئی منصوبہ بندی، بجٹ بنانا، اخراجات ترتیب دینا اور مستقبل کے اخراجات کے بارے میں رائے دینا۔ ہسپتال، کلینک، ہیلتھ سنٹر صرف بلڈنگ کا نام نہیں ہوتے بلکہ ان میں لوگ بھی ہوتے ہیں اور آلات بھی۔ ہیلتھ اکنامکس کے ماہر نہ صرف ہسپتالوں کی مانیٹرنگ اور ان کے کام کا آڈٹ بھی کرتے ہیں اور اس بات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں کہ ان اقدامات کی وجہ سے اخراجات میں کمی ہوسکتی ہے اور پسندیدہ نتائج حاصل ہوسکتے ہیں۔ وہ نہ صرف پرانے منصوبوں کی جانچ کرکے یہ بتاسکتے ہیں کہ ان منصوبوں کی قیمت کیا تھی؟ اور اس قیمت سے کیا فوائد حاصل ہوئے؟ وہ فوائد کم تھے یا زیادہ ہوسکتے تھے؟ زندگی کی اہمیت اور صحت سے اس کا تعلق اور بیماری کی صورت میں نقصان کا اندازہ ایک ماہر ہیلتھ اکانومسٹ ہی لگا سکتا ہے۔ تحقیق اور ترقی نئے علوم کے حصول کے لئے لابد ہے۔ جدید اور ترقی یافتہ ممالک میں بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ تحقیق کی ترویج اور نتائج کے حصول میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے وہ لوگ ترقی یافتہ کہلاتے ہیں اور طاقتور ہیں۔ تحقیق ایک علمی عمل ہے اور اس کے لئے علمی ماحول اور عالم کی عزت اور احترام نہایت ضروری ہے۔ کلی نیشین (Clinician) سائنٹسٹ (Scientist) ہوتا ہے۔ اس کی زندگی ہمہ وقت مریضوں اور امراض کے درمیان گزرتی ہے۔ اگر کلی نیشین کو تحقیق کے مواقع مہیا کئے جائیں تو یقیناً صورت حال مختلف ہوجائے گی۔ ہمارے ملک میں فصلوں، پھلوں، جانوروں اور مچھلیوں پر تحقیق کے بڑے بڑے ادارے موجود ہیں اور رات دن نئی تحقیق دنیا کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔ بزنس ایڈمنسٹریشن، ماس کمیونی کیشن اور سوشیالوجی اور اینتھروپولوجی پر بھی قابل قدر تحقیق ہورہی ہے۔ ادب، فلسفہ، شاعری اور سیاسیات، معاشیات، مذہب پر بھی تحقیق جاری ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ طب وصحت کی تحقیق کو عام کیا جائے اور میڈیکل یونیورسٹیوں کو وہی اہمیت دی جائے جو کہ دوسرے علوم کی یونیورسٹیوں کو دی جاتی ہے۔ طب وصحت کے محققین کو وہی مواقع دیئے جائیں جو کہ دوسرے علوم کے محققین کو حاصل ہیں۔ اس سے ایک نیا پیشہ وجود میں آئے گا۔ جسے میڈیکل ریسرچ کہا جاتا ہے۔ جب تک آپ ایک ڈاکٹر کو فکر معاش سے آزاد نہیں کریں گے وہ تحقیق کے بارے میں سوچنے سے گریز کرے گا۔

ایک اور شعبہ جو توجہ چاہتا ہے میڈیکل اسٹیٹکس (Medical Statistics) یا بایو اسٹیٹکس (Bio Statistics) کہلاتا ہے۔ یہ شعبہ تین طریقوں سے ڈاکٹرز کی مدد کرتا ہے۔

(۱) تحقیق کو سوچنا اور ابتدائی ڈیزائن مکمل کرنا۔ (۲) تحقیق کو سائنسی بنیادوں پر جاری رکھتے ہوئے مکمل کرنا (۳) تحقیق سے وہ نتائج اخذ کرنا جو سچائی اور حقیقت پر مبنی ہوں۔

جو تحقیق شماریات کے علم کے بغیر کی جائے گی ناپختہ اور غیر سائنسی ہوگی۔ اس لئے کسی موقر جریدے میں شائع نہیں ہوسکے گی اور جو تحقیق چھپ نہ سکے وہ سرے سے تحقیق ہی نہیں کہلاتی۔ مسائل اور ان کا حل صرف تحقیق کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ڈاکٹرز کو تحقیق کے شعبے میں لانے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جو کہ میڈیکل یونیورسٹیوں میں ممکن ہے۔ ●●

بقیہ: اور اب مغرب پر سوائن فلو کا حملہ

چونکہ کہ عالمی ادارہ صحت نے پوری دنیا کو اس سے خبردار کیا ہے اور اس سلسلہ میں اس نے ایک ہنگامی اجلاس طلب کرلیا ہے، عین ممکن ہے کہ اس کی طرف سے بھی امریکی حکومت کے طرز پر پبلک ہیلتھ ایمرجنسی جیسا کوئی قدم اٹھایا جائے۔ اس نے صنعت وتجارت اور کاروباری دنیا کو بھی متاثر کیا ہے۔ ہوائی سفر ایک منفعت بخش تجارت ہے اس کی وجہ سے اس کے متاثر ہونے کا اندیشہ بھی پیدا ہوگیا ہے، اس کی اطلاعات بھی موصول ہورہی ہے کہ بعض ملکوں نے میکسیکو اور دوسرے متاثرہ ملکوں سے کھانے پینے کی اشیاء فی الحال نہ منگانے کا فیصلہ کیا ہے، اس سے وقتی طور پر درآمدات اور برآمدات پر بھی منفی اثر پڑے گا۔ خنزیر کا گوشت مغربی ملکوں میں چونکہ عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ اور اس کی بڑے پیمانے پر درآمد وبرآمد بھی ہوتی ہے، مویشی پروری کے نقطہ نظر سے بھی اس کی اہمیت ہے، اس وبائی مرض کی وجہ سے یہ سارے امور بری طرح متاثر ہوئے ہیں، جس طرح برڈ فلو نے پوری دنیا کو متاثر کیا تھا اور برڈ فلو کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پرندوں کو تلف کیا گیا تھا اب وہی عمل خنزیر کے ساتھ بھی دہرایا جائے گا۔ اس سے ہزاروں خاندان متاثر ہوں گے ملکی معیشت پر بھی اس کا منفی اثر پڑے گا۔ اس مرض نے چونکہ امریکہ، آسٹریلیا اور یورپ تینوں براعظموں کو متاثر کیا ہے لہٰذا ان کے درمیان کاروباری تعلقات پر بھی اثر پڑنے کا خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے۔

(ش ر)

ایم اے ایف اکیڈمی

اے ۴۳ سیکٹر ۶۲، نوئیڈا

فاؤنڈر: محمد ابوالفضل فاروقی

نرسری تا XI داخلے جاری

★ سی بی ایس ای سے منظور شدہ ★ سی بی ایس ای کورس
★ اعلیٰ تربیت یافتہ اسٹاف ★ بچے کی پروگریس پر ہروقت نظر
★ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ ★ سیکشن میں صرف ۲۵ طلباء
★ ابتداء سے کمپیوٹر کی تعلیم ★ ہروقت بجلی کے لئے جنریٹر موجود
★ ضروری سامان سے آراستہ سائنس لیب
★ کمرہ روشن، ہوادار، تپش سے محفوظ ★ ۲۴ ہزار مربع گز کا وسیع رقبہ
★ صد فیصد نتائج ★ سیٹیں محدود ★ داخلہ فارم ویب سائٹ پر دستیاب
★ داخلے کیلئے بچے کا ہونہار ہونا کافی ★ ٹرانسپورٹ کے لئے محفوظ اور آرام دہ بسیں
★ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ نہایت خوشنما عمارت

صد فیصد رزلٹ کے ساتھ سبھی طالب علم فرسٹ ڈویژن ڈسٹنکشن (Distinction) کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔

اعلیٰ ترین سہولتوں کے باوجود فیس کفایتی

Phone: (0120) 2400522, 6545202
Fax:(0120)2400510
e-mail: info@mafacademy.com
Website: www.mafacademy.com

ضرورت رشتہ

۲۲ سالہ عمر کی لڑکی جس کے والدین کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا کے لئے رشتہ درکار ہے لڑکی تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ امور خانہ داری میں ماہر ہے۔ شادی دینی حساب سے ہوگی۔

رابطہ قائم کریں:
فردوس بیگم
9990832663,9212606300

ضرورت رشتہ

غازی آباد ترک درزی برادری کی دو سگی بہنیں جن کی عمر ۲۸ سال اور ۲۴ سال ہے قد پانچ فٹ چار انچ، بڑی لڑکی کی تعلیم گریجویٹ گرلز آئی ٹی آئی میں بطور Instructer خدمت انجام دے رہی ہے۔ رنگ سانولا ہے۔ دوسری لڑکی کی تعلیم بی کام، بی اے ہے۔ رنگ صاف امور خانہ داری میں ماہر صوم وصلوٰۃ کی پابند ہیں کے لئے برسر روزگار لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ دہلی اور این سی آر کے رشتے کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ کریں:
09711388360,09968415028

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس

سپر ٹینری لمیٹیڈ

● برنشڈ بف کاف ● فیشن اپیل لیدرز ● اَپَل پُل اَپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نو بک ● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شو اینڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

تصوف اور سائنس کے موضوع پر

۲ اہم کتابیں

مجددین امت اور تصوف ● پروفیسر محمد عبدالحق انصاری

امت کے چار عظیم مجددین، امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ، شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے ان آراء وافکار کا تحقیقی مطالعہ، جن کا اظہار مجددین نے کتاب وسنت کی روشنی میں تصوف کے مختلف اعمال وافکار کے سلسلے میں کیا ہے۔ فاضل مصنف نے ان مجددین کے اختلاف واتفاق کی بھی نشان دہی فرمائی ہے اور جس رائے کو بہتر سمجھا ہے اس کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ — صفحات: ۷۲ — قیمت: Rs.35/=

حشرات قرآنی ● ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی

معروف سائنس داں ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی نے قرآن مجید میں مذکور کیڑوں مکوڑوں کو اپنا موضوع بناتے ہوئے ان کے سلسلے میں اہم معلومات دی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ بظاہر حقیر اور بے بضاعت معلوم ہونے والے ان کیڑوں مکوڑوں میں بھی خالق کائنات کی کتنی زبردست حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ — صفحات: ۹۶ — قیمت: Rs.40/=

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652 Fax: 26947858, 26950975
E-mail: mmipublishers@gmail.com.
Website: www.mmipublishers.net